اے۔بی۔سی (آڈٹ بیورو آف سرکولیشن) کی مصدقہ اشاعت

لہٗ دعوۃ الحق

قرآن وسنّت کی تعلیمات کا علمبردار

فون نمبر دارالعلوم ۔ ۴ فون نمبر رہائش ۔ ۲

جلد نمبر: ۱۹
شمارہ نمبر: ۹

ماھنامہ الحق اکوڑہ خٹک

رمضان المبارک ۱۴۰۴ھ
جون ۱۹۸۴ء

مدیر : سمیع الحق

اس شمارے میں

بدل اشتراک
پاکستان میں سالانہ ۔/۳۵ روپے — فی پرچہ ۳/۵۰ روپے
بیرون ملک سالانہ عام ڈاک ۴ پونڈ — ہوائی ڈاک ۷ پونڈ

سمیع الحق استاد دارالعلوم حقانیہ نے منظور عام پریس پشاور سے چھپوا کر دفتر الحق دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نقش آغاز

الحمدللہ کہ رمضان المبارک میں مؤتمر المصنفین کی مطبوعات میں دو اہم کتابوں کا اضافہ ہوا پہلی کتاب حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کے درس ترمذی شریف کے آمالی و تقاریر کا عظیم الشان مجموعہ حقائق السنن جلد اول (اردو) شائع ہوگئی جس کا عرصہ سے علمی حلقوں میں انتظار ہو رہا تھا اس کتاب کی افادیت اہمیت اور عظمت کے لئے تو حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کا اسم گرامی کافی ہے۔ دوسری کتاب "قادیانیت اور ملت اسلامیہ کا موقف" کے نام سے ایک تاریخی دستاویز ہے۔ سرِدست موضوع کی اہمیت کی بنا پر اس تاریخی وثیقہ کے مفصل تعارف کی ضرورت ہے جو کتاب کے آغاز میں دیباچہ کے طور پر مولانا سمیع الحق صاحب کے قلم سے ہے اور اس قابل ہے کہ نقش آغاز کے طور پر الحق میں شامل ہو (ادارہ)

عالمی استعمار اور اسلام دشمن قوتوں نے ملت مسلمہ کی وحدت و سالمیت، نظریاتی یکجہتی اور سیاسی قوت کو ختم کرنے کے لئے جو حربے استعمال کئے ان میں قادیانیت ایک ایسا ضرب کاری تھا جس کے مہلک اثرات وقت کے ساتھ ساتھ بڑھتے اور پھیلتے چلے گئے جن علماء اور مفکرین امت کو اس فتنہ کی ہلاکت آفرینیوں کا احساس تھا وہ پہلے ہی دن سے اس شجرۂ خبیثہ کے قلع قمع کے لئے کمربستہ ہوگئے اور تحریر و تقریر کی پوری صلاحیتوں سے امت کو اس فرقۂ ضالہ کے دجل و تلبیس سے آگاہ کرتے رہے مگر اسلام کے اساسی عقائد توحید و رسالت اور ختم نبوت کی نزاکت و اہمیت سے ناآشنا روشن خیال طبقے اسے مولویوں کی "تنگ نظری" پر محمول کرتے رہے اور جب مرزائیوں کا آقائے ولی نعمت انگریز برصغیر سے چلا گیا تب بھی پاکستان کے دینی حمیت سے عاری حکمران قادیانیت کے بارہ میں جمہور مسلمانوں کی جدوجہد کو نظر انداز کرتے رہے تا آنکہ ۱۹۷۴ء میں مرزائیوں کے مرکز ربوہ کے اسٹیشن پر مسلمان نوجوانوں پر جارحانہ حملہ کی شکل میں ایک لطیفہ غیبی رونما ہوا۔ اس ظالمانہ جسارت نے پاکستان کے عام مسلمانوں کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ دینی حمیت کا جو لاوا اندر ہی اندر پک رہا تھا وہ یک لخت پھٹ پڑا۔ اور ایمان کی چنگاری شعلۂ جوالہ بن گئی مجلس تحفظ ختم نبوت کے اکابر اور ملک کے دیگر جید علماء و مشائخ کی جدوجہد اور رہنمائی نے احتجاج کو ایک ہمہ گیر اور منظم تحریک کی شکل میں بدل دیا۔ اور "مجلس عمل تحفظ ختم نبوت" کی صورت میں ملک کے ہر مکتب فکر کے اکابر علماء ممتاز قومی رہنماؤں اور اہم دینی جماعتوں کا ایک متحدہ پلیٹ فارم وجود میں آیا۔ پوری ملت کے اتحاد و یگانگت کا ایسا روح پرور اور باطل شکن مظاہرہ برصغیر میں کم ہی دیکھنے میں آیا ہوگا۔ یہ کرشمہ تھا اس والہانہ عشق و محبت ایمان آفرین قلبی تعلق اور روحانی رابطوں کا جو ہر ادنیٰ امتی اور غلام کو آقائے دوجہاں خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی ذات سے ہے یہ تحریک ایمان و یقین اور عشق و محبت کی بنیادوں پر اٹھی اور سورج کی روشنی اور حرارت کی طرح ملک کے گوشے گوشے کو روشن اور گرما گئی۔ ادھر اس وقت کی سوشلزم اور لادینیت کی علمبردار حکومت اس تحریک کو اولاً سختی سے دباتی رہی۔ اس میں کامیابی نظر نہ آئی تو لطائف الحیل سے ٹالنا چاہا۔ زعمائے تحریک کی کردار کشی۔ ذرائع ابلاغ سے پروپیگنڈہ، الغرض یہ سارے ہتھکنڈے استعمال ہوتے رہے مگر جب پانی سر سے گزرنے لگا تو بالآخر حکومت وقت نے امت کے اس اجماعی اور طے شدہ مسئلہ کو غور و خوض کے لئے قومی اسمبلی کے سپرد کر دینے کا فیصلہ کیا۔

اس غرض سے پوری قومی اسمبلی کو "خصوصی کمیٹی" کی حیثیت دی گئی اور طے پایا کہ مرزائیوں کی ہر دو جماعتوں (قادیانی اور لاہوری) کے سربراہوں کو اپنا موقف پیش کرنے دیا جائے اور قوم انکا ذکر علاء اراکان دلائل و براہین سے اپنا موقف پیش کریں پھر اس کی روشنی

میں قومی اسمبلی کوئی آئینی قدم اٹھائے۔ میرے نزدیک اس فیصلہ کے مضمرات میں بھی یہی ارادہ کارفرما تھا کہ اس طویل بحث مباحثہ اور نقد و جرح کے لئے پچیس تیس دن کا جو موقعہ درکار ہوگا، اس دوران تحریک کی شدت ختم ہو جائے گی۔ اور کسی نہ کسی طرح مسلمانوں کا یہ سو سالہ مطالبہ ایک بار پھر التوا میں ڈال دیا جائے گا۔ مگر اللہ تعالیٰ کی کرم گستری مسلمانوں کے شامل حال تھی۔ "مجلس عمل" کے اکابر نے فیصلہ کیا۔ ایک طرف تو قومی اسمبلی کے محاذ پر اس دجالی فرقہ کے آئمہ دجل و تلبیس سے رد و درد و دلائل و براہین سے مقابلہ کیا جائے اور ارکان اسمبلی پر قادیانیت کے خلاف اسلامی عقائد اور مذموم عزائم آشکارا کئے جائیں اور دوسری طرف ملک بھر میں تحریک کو اسی زور شور سے جاری رکھا جائے جب تک کہ قومی اسمبلی قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار نہ دے۔

اس وقت مختلف مکاتب فکر کے اکابر علماء اور جماعتوں کے زعماء قومی اسمبلی کے اجلاس کی وجہ سے راولپنڈی میں تھے مجلس عمل کے صدر محدث کبیر علامۃ العصر مولانا سید محمد یوسف بنوری قدس سرہ مجلس تحفظ ختم نبوت کے سرکردہ مبلغین کی معیت میں راولپنڈی کو ہیڈ کوارٹر بنا چکے تھے۔ ادھر حکومت کی ہدایات تھیں کہ ہر فریق یا جو رکن قومی اسمبلی میں کوئی تحریری بیان داخل کرانا چاہے اسے ایک ہفتہ کے اندر اندر پیش کرنا پڑے گا۔ اس لحاظ سے وقت نہایت کم اور موضوع نہایت گھمبیر، نازک اور ہمہ پہلو سیر حاصل روشنی ڈالنے کا مستحق۔ ایسے حالات میں اللہ کا نام لے کر کتاب کی تیاری کا فیصلہ کیا گیا۔ مجلس تحفظ ختم نبوت کے کہنہ مشق مبلغین جن کی زندگی قادیانیت کے تعاقب میں گزری تھی قادیانیوں کی اصل کتابوں اخبارات و رسائل کے انبار کے ساتھ راولپنڈی بلا لئے گئے۔ تالیف کتاب کے لئے قرعہ فال ناچیز راقم الحروف اور برادر محترم فاضل اجل مولانا محمد تقی عثمانی کراچی کے نام نکلا۔

کتابت کے لئے لاہور سے سلطان الکاتبین جناب سید نفیس الحسینی (نفیس رقم) اپنے چیدہ اور ماہر خوشنویس تلامذہ کی ٹیم کے ساتھ پہنچ گئے۔ حضرت مولانا بنوری قدس سرہٗ امیر مجلس کی قیادت میں راولپنڈی صدر کے ایک قدیم ہوٹل میٹروپول کو اپنا مستقر بنایا تھا۔ جو کسی زمانہ میں شان بان کا ہوٹل رہا ہوگا۔ مگر اب اپنی قدامت اور بوسیدگی کی وجہ سے ازکار رفتہ بن چکا تھا اور اس کے صاحب خیر مالک نے اسے تحریک کے دوران استعمال کرنے کے لئے پیش کیا تھا۔

ہم سب لوگ ایک جنگی مہم کی طرح اس کتاب کی تیاری میں لگ گئے۔ ایک حصہ راقم الحروف اور ایک حصہ برادرم مولانا محمد تقی عثمانی لکھتے جاتے جو ورق تیار ہوتا ختم نبوت کے مبلغین حضرت مولانا محمد حیات صاحب مرحوم فاتح قادیان حضرت مولانا عبدالرحیم اشعر صاحب اور دیگر حضرات اپنے بڑے بڑے بستوں میں بند مرزا غلام احمد اور اس کے جانشینوں کی اصل کتابوں اور قدیم دور کے الفضل وغیرہ رسائل کو ٹٹول ٹٹول کر کتاب میں دئے گئے حوالوں کا اصل متن سے تطبیق کراتے۔ یہ تحقیق اور مراجعت اس لئے بھی ضروری تھی کہ قادیانی دجل و تلبیس کا ایک حربہ یہ بھی رہا ہے کہ وہ ایڈیشنوں کو بدل بدل کر چھاپتے ہیں۔ اور بحث و مناظرہ کے دوران حوالہ سے انکار کر بیٹھتے ہیں۔ اس صورت حال سے بچنے کے لئے یہ طے پایا تھا کہ جو بھی فریق اپنے تحریری و تقریری بیانات میں کوئی حوالہ دے گا تو اصل کتاب یا ماخذ بھی اسمبلی میں پیش کرے گا۔

اس طرح اس کتاب میں دیے گئے حوالوں کی وجہ سے دوڈھائی سو قادیانی کتابیں، رسائل اور مجلات بھی اسمبلی میں پیش کرنی تھیں۔ کتاب کا جتنا بھی مسودہ مرتب ہو جاتا ہم لوگ اسے مولانا بنوری قدس سرہ کی معیت میں قومی اسمبلی میں شامل اس وقت کے اکابر علماء و زعماء مجلس عمل کو سناتے

الغرض "ملت اسلامیہ کا موقف" یا قادیانیوں کے سو سالہ جارحیت، بغاوت اور ظلم وستم، دجل و تلبیس پر مبنی داستان یا بیان استغاثہ مرتب ہوگیا۔ الحمدللہ کہ مختصر اور ہنگامہ خیز حالات میں بھی موضوع کے دینی علمی اور سیاسی ہر ہر پہلو پر سیر حاصل بحث و مواد اس میں آگیا۔ کتاب مکمل ہوئی جو بڑی مشکل نظر آرہی تھی تو سب حضرات نے اللہ کا شکر ادا کیا۔ اور بقول حضرت علامہ بنوری مرحوم یہ بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہات عالیہ کا کرشمہ اور ان ہی کا ایک معجزہ تھا۔ کہ یہ سارا معرکہ ایسے افراتفری میں صرف ہفتہ بھر میں سر ہوگیا۔ اس کے بعد قومی اسمبلی کے بند اجلاس شروع ہوئے۔ کتاب بھی قانوناً صرف قومی اسمبلی کے ارکان میں تقسیم کر دی گئی۔ پریس کو یا کسی غیر رکن میں اس کی تشہیر خلاف قانون تھی۔

اس وقت قادیانیوں کے ہر دو سربراہ مرزا ناصر احمد اور صدرالدین لاہوری بھی اپنے بیانات کے ساتھ قومی اسمبلی میں پیش ہوئے۔ اس وقت کے اٹارنی جنرل جناب یحییٰ بختیار کے توسط سے جرح بھی ہوتی رہی مسلمانوں کی طرف سے پیش نظر کتاب اسمبلی میں پڑھ کر سنانے کی سعادت بھی ہمارے مخدوم مولانا مفتی محمود قدس سرہ کے حصہ میں آئی۔ اس لئے وہ اسمبلی میں موجود اس وقت کے مختلف مکاتب فکر اور سیاسی جماعتوں کے حزب اختلاف کے رہنما تھے اور انہی پر اتفاق ہوتا تھا۔ حضرت مفتی صاحب مرحوم نے اجلاس کی کئی نشستوں میں کتاب پڑھ کر سنائی۔ اور پورے ارکان نے ہمہ تن گوش ہو کر توجہ سے سُنی۔ اکثریت جو پیپلز پارٹی کے ارکان اور وزراء کی تھی، انہیں نہ تو کبھی قادیانی جماعت کے مذہبی اعتقادات اور پیچ در پیچ اصطلاحات و تاویلات پر غور کا اتفاق ہوا تھا۔ نہ مذہب کے نام پر اس گورکھ دھندے سے وہ آگاہ تھے۔ پھر اس فرقے کا سیاسی پہلو، استعماری سرگرمیوں اور عالم اسلام بالخصوص پاکستان کے خلاف ریشہ دوانیوں، برطانوی سامراج کا اس کی تشکیل و ترقی اور اشاعت میں سرگرم حصہ، تقسیم ملک کے وقت قادیانیوں کا شرمناک کردار، عالم عرب کے خلاف اسرائیل اور مغربی سامراج کی آلہ کار ہونے کی تفصیلات اور اس کے قرائن و شواہد، یہ سب باتیں جب ان لوگوں کے علم میں آئیں تو وہ محو حیرت ہوگئے۔ اور ان کے دلوں میں جو نرم گوشہ تھا وہ نفرت سے بدل گیا۔

اس دوران مرزائیوں کے سربراہ مرزا ناصر احمد اور ان کے ہمراہ صدرالدین لاہوری کی جولن ترانیاں دلائل سے گریز، بیانات میں تضادات اور بے سروپا تاویلات کے جو مناظر ایوان کے سامنے آئے اس نے اور بھی سونے پر سہاگہ کا کام دیا۔ (باقی صفحہ ۶۳ پر)

بیادبہ مجلس شیخ الحدیث — ضبط و ترتیب :- مولانا عبدالقیوم حقانی

صحبتے با اہلِ حق

——— شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب کی مجلس میں

حیا، انسان کی فطرت ہے | ایک چھوٹا سا بچہ مجلس میں لایا گیا۔ حضرت مدظلہ نے دست شفقت پھیرا اور بسم اللہ پڑھانا چاہی مگر وہ نہیں پڑھ رہا تھا۔ تو پھر لفظ اللہ پڑھایا تو لڑکے نے خاموشی اور دبی زبان سے پڑھا۔ تو حضرت مدظلہ نے ارشاد فرمایا۔

بچوں میں بچپن ہی سے شرمیلا پن اور حیا پائی جاتی ہے۔ یہ ایک نیا کام کرنے اور لوگوں کے سامنے بات کرنے سے شرماتے ہیں۔ حیا خدا تعالیٰ کا عطیہ اور انعام ہے۔ جو بچپن ہی سے فطرت میں موجود ہوتا ہے اور یہی حیا مکلف ہونے کے بعد نصف ایمان بن جاتا ہے۔ الحیاء نصف الایمان بچپن کا حیا، اگر بڑی عمر میں بھی محفوظ کر لیا گیا تو انسان کامیاب ہے۔ ورنہ عام تجربہ یہ ہے کہ بری مجلس کی وجہ سے اور برے دوستوں کی وجہ سے حیا کی دولت سے بھی انسان محروم ہو جاتا ہے۔

راس الحکمۃ مخافۃ اللہ | احقر نے ایک صاحب سے متعلق عرض کی کہ یہ صاحب دارالعلوم میں اپنے کام سے سروکار رکھتے ہیں اور ہر مسئلہ میں تقویٰ پر عمل کرتے ہیں۔ تو ارشاد فرمایا۔ راس الحکمۃ مخافۃ اللہ جس کام میں بھی تقویٰ اختیار کیا گیا وہ کام انجام کے اعتبار سے بڑا نتیجہ خیز ثابت ہوتا ہے۔ جو شخص اپنے اللہ سے معاملہ ٹھیک رکھتا ہے وہ اپنے انجام میں ریا اور نمائش سے پرہیز کرتا ہے تو اس کی معمولی نیکی بھی دوسرے لوگوں کے بڑے بڑے حسنات پر بھاری ہوتی ہے۔

فرمایا۔ دیوبند کے اول مہتمم دوپہر کو دارالعلوم کے احاطہ میں ایک درخت کے سایہ کے نیچے اپنا کوئی مہمان لا کر باندھا کرتے تھے چونکہ احاطہ دارالعلوم کا تھا اس لئے بنا برا حتیاط و تقویٰ اس کا بھی کرایہ داخل کرتے تھے۔ جس صاحب کا آپ نے ذکر کیا ہے یہ تو کوئی عالم نہیں ہیں بس یہ خدا تعالیٰ کا فضل ہے جب رہنمائی فرماتے ہیں تو تعلیم کی ضرورت بھی باقی نہیں رہتی۔

فرمایا۔ ہر کام کرتے وقت سب سے پہلے انسان اپنے دل کو ٹٹول لے۔ استفت قلبک۔ جب بھی کوئی غلط قدم اٹھتا ہے تو دل میں ایک کھٹک پیدا ہو جاتی ہے۔

دوا کے بعد دعا | ایک صاحب نے عرض کی۔ کام زیادہ ہے وقت نہیں ملتا۔ کوئی مختصر سا وظیفہ عنایت فرمائیں۔ جس پر دواماً عمل ہو سکے۔

فرمایا۔ ہر نماز کے بعد ۱۹ مرتبہ یاحی یا قیوم برحمتک استغیث۔ پڑھ لیا کریں۔ غزوۂ بدر کے موقعہ پر جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے ایک چھپر بنایا گیا تو حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس چھپر میں خدا کے حضور سربسجود رہے۔ اور زبان مبارک پر" یاحی یا قیوم برحمتک استغیث کی دعا جاری رہی۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں میں نے توجہ سے سنا تو آں حضرت اسی دعا میں مشغول تھے۔

انسان درجۂ اسباب میں اپنا کام مکمل کرلے پھر خدا کے حضور انابت اختیار کرے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صف بندی فرمائی گویا دوا کی۔ اور پھر خدا کے حضور سربسجود ہو کر استغاثہ فرمایا اور دعا کی۔

نفاق پر خاتمے کا اندیشہ | ارشاد فرمایا۔ اگر ایک انسان نہ تو جہاد کرتا ہے اور نہ ہی دل میں جہاد کا ارادہ رکھتا ہے اور نہ مجاہدین کی فتح مندی اور کامیابی کی دعا کرتا ہے۔ تو اندیشہ ہے کہ اس کا خاتمہ نفاق پر ہو۔ جو لوگ کسی وجہ سے جہاد بالسیف سے محروم ہیں انہیں جہاد کی نیت اور ارادہ ضرور کر لینا چاہئے۔ اور مجاہدین اور غازی اسلام کی کامیابی کے لئے خدا کے حضور مصروف دعا رہنا چاہئے۔

فکر آخرت | ارشاد فرمایا۔ جس کی آخرت مامون ہو تو اس کی دینی خدمات، مدارس کا انعقاد اور مدارس کے لئے چندے اکٹھے کرنا اور اس سلسلہ میں تگ و دو اور سعی کرنے والوں کے کردار سے بڑی خوشی اور فرحت حاصل ہوتی ہے۔ لیکن اگر فرض کریں جیسا کہ آپ نے کہا کہ فلاں صاحب نے دس لاکھ روپیہ حکومت سے مدرسہ کے نام سے لیا ہے تو جب مدرسہ جعلی ہے اور حقیقت بھی کچھ نہیں تو اس قسم کے لوگوں کے ایسے کردار سے طبیعت بے چین ہوتی ہے۔ اور ایک گھٹن سی محسوس ہوتی ہے۔ کیونکہ ایسے لوگ دینی مدارس اور اہل علم کو بدنام کرتے ہیں یہی وہ لوگ ہیں جو دین کے نام سے ذہب اور فضہ جمع کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں سے آخرت میں سخت باز پرس ہو گی۔ اور اللہ کی ناراضگی کے مستحق ٹھہریں گے۔

استاد سے پڑھے بغیر علمی مسائل پر بحث کرنا مفاسد کا پیش خیمہ ہے | صاحب فن استاد سے اکتساب فیض ایک معروف اور مسلم اصول ہے۔ کسی فن کو صحیح معنوں میں سیکھنے کے لئے اس فن کے ماہر استاد کی شاگردی ازبس ضروری ہے مگر آج کل کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو استاد سے پڑھے بغیر صرف اپنے مطالعہ کے زور سے علم حدیث کے دقیق اور نازک ترین مسائل میں گفتگو کرتے رہتے ہیں جو بہت بڑے وبال اور مختلف مفاسد کا پیش خیمہ ہو سکتے ہیں۔

طلبا نے بڑے کام کرنے ہیں۔ انہیں جزئیات میں الجھا کر بے کار نہ کرو | قرۃ العیون نامی کتاب کے کسی نے ۲۵ نسخے دارالعلوم حقانیہ بھیجے "تاکہ طلبا میں تقسیم کر دئے جائیں۔ حضرت شیخ کو معلوم ہوا تو فرمایا

کہ اس کتاب کا ایک نسخہ مولانا غلام الرحمٰن صاحب اور ایک نسخہ آپ (کاتب الحروف) دیکھ لیں۔

ایسا معلوم ہوتا ہے جیسا کہ اس کتاب میں مختلف فیہ مسائل پر بحث کی گئی ہے۔ اور جزئیات کے اختلافات کو نکھارا گیا ہے۔ اگر واقعۃً ایسا ہی ہے تو طلبار کو ہرگز نہ دینا۔ اور انہیں یہ کتاب دے کر خواہ مخواہ جزئیات میں الجھائے نہ رکھنا۔ انہوں نے تو بڑے کام کرنے ہیں۔

عیاشی پر علم حاصل نہیں ہوتا | آج کل بڑے بڑے مدارس قائم ہو گئے ہیں طلبار کو سہولت ہے اور سب کچھ تیار ملتا ہے۔ تاہم یاد رکھو کہ عیاشی اور عیش کوشی سے علم حاصل نہیں ہوتا۔ ہم نے تو پہاڑوں اور جبل و قلل میں رہ رہ کر علوم کی تحصیل کی ہے۔ اس زمانہ میں روٹیاں مانگ مانگ کر کھاتے تھے۔ مجھے خوب یاد پڑتا ہے کہ دہلی میں مجھے ۸ میل دور جاکر روٹی کھانا پڑتی تھی جب واپس آتا تو وہ ہضم ہو جایا کرتی تھی۔

تحصیل علم میں جس قدر مشقت اور تعب زیادہ ہوگا اسی قدر علم کی قدر و عظمت بھی زیادہ ہوگی۔ اور اسی پر نتائج و ثمرات بھی اچھے مرتب ہوں گے ۔

حفاظت و خدمت دین | یہ دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ ہم سے دین کی خدمت بھی لے لے اور اپنے راستے میں قبول بھی کر لے۔ دین کی خدمت لینا اور بات ہے اور اپنے راستے میں قبول کر لینا اور بات ہے۔ اپنے دین کی حفاظت اور خدمت کا کام خدا تعالیٰ جس سے چاہتا ہے لے لیتا ہے۔ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکرؓ کی معیت میں غار ثور میں تھے اور کفار آپ کو ڈھونڈ رہے تھے اس وقت خدا تعالیٰ نے کبوتر اور مکڑی سے کام لیا۔ ایک نے جالا بنا اور دوسرے نے انڈے دے دئے۔

خدا تعالیٰ نے جب کسی سے حفاظت و خدمت دین کا کام لینا ہوتا ہے تو اس میں ذات پات حیثیت اور شخصی وجاہت کو نہیں دیکھتے اور نہ کسی کی شخصیت کا لحاظ کرتے ہیں بلکہ جس سے جتنا کام چاہتے ہیں لے لیتے ہیں۔ خوش نصیب ہیں وہ لوگ جنہیں خدمت دین کا شرف حاصل ہو جاتے۔ اور پھر اسے بارگاہ ربوبیت میں شرف قبول بھی حاصل ہو۔

قرآن و حدیث کے انوارات | حضرات صوفیار فرماتے ہیں:-

جب قرآن کی تلاوت کی جاتی ہے تو پڑھنے والے کے منہ سے سورج کی شعاعوں کی طرح نور کی شعاعیں نکلتی ہیں۔ جن میں جلال غالب رہتا ہے۔ اور حدیث کے پڑھتے وقت چاند کی روشنی جیسے انوارات ظاہر ہوتے ہیں۔ جن میں جمال غالب رہتا ہے =

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
کاروبار کے سلسلہ میں سعودیہ سے سفر کرکے
عمرہ کی سعادت حاصل کیجئے۔
خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو دوران سفر جدہ میں قیام کرتے ہیں۔ عمرہ کی سعادت حاصل کرنے کے لئے مکہ معظمہ جاتے ہیں اور مدینہ منورہ میں روضۂ اقدس کی زیارت سے فیضیاب ہوکر اللہ اور اسکے نبی آخر الزماں کی خوشنودی حاصل کرتے ہیں۔
اس مقدس سفر کیلئے سعودیہ آپکو اپنے وائڈ باڈی طیاروں پر خوش آمدید کہتی ہے جنہیں آپ پاکیزہ ماحول اور آرام و آسائش کا گہوارہ پائیں گے۔
ریزرویشن کے لیے اپنے ٹریول ایجنٹ یا سعودیہ سے براہِ راست رجوع کیجئے:
کراچی: سعودیہ بلڈنگ اسٹریچن روڈ۔ فون: (دس لائنیں) ۵۱۳۱۳۲، ۵۱۵۰۳۵
سعودیہ کارگو بلڈنگ۔ کراچی ایرپورٹ۔ فون: ۴۸۰۸۹۵، ۴۸۱۳۲۷، ۴۸۱۷۱۳
لاہور: فون: ۳۰۵۳۱۱-۳-۳
اسلام آباد: فون: ۸۲۷۳۵۱-۲-۳ اور ۸۲۵۲۸۸
حیدرآباد: فون: ۲۳۳۰۳-۲۳۷۶۸
السعودية
سعودی عرب ایرلائنز
ہماری دنیا آپ کے لئے چشم براہ ہے
SV.1.84

از ریٹائرڈ میجر امیر افضل خان

دوسری قسط

افواج پاکستان میں قادیانی افسروں کے کردار سے ایک ریٹائرڈ فوجی افسر پردہ اٹھاتے ہیں۔ مدیر الحق کے نام ان کے مکتوب کی دوسری قسط ملاحظہ فرمایئے اور اس موضوع پر اظہار خیال کیجئے۔ ادارہ

قادیان سے اسرائیل تک

سازشیں ہی سازشیں

قادیانیوں کی سازش اتنی گہری ہے اور اتنے پھیلاؤ میں ہے کہ ملک کا گوشہ گوشہ اور زندگی کے ہر پہلو میں ایسی رچی بسی ہوئی ہے کہ ہم از خود بعض دفعہ دانستہ طور پر اور بعض دفعہ نادانستہ طور پر ان سازشیوں کے ہاتھ میں کھیلتے رہتے ہیں۔ سازش کا سب سے بڑا مقصد یہ ہے کہ مسلمان کو مسلمان نہ رہنے دو۔ اور بقول علامہ اقبال کہ جو شیطان اپنے چیلوں کو ہدایت کرتا ہے کہ ان مسلمانوں کے قلب سے روح محمدی نکال دو۔ اسی اصول کو مدنظر رکھا جاتا ہے کہ رسول عربیؐ کے اسلام پر پردے ڈال دو۔ ماڈرن اسلام۔ سر سید کا اسلام اور پرویزی اسلام وغیرہ۔ سب کی یہ لوگ ہی پرورش کر رہے ہیں۔ غیروں کے فلسفوں پر اسلام کے لیبل چسپاں کرنا۔ غیروں کی باطل اصطلاحوں اور نظریات کو اسلامی اصول کے طور پر پیش کرنا۔ جہاد کو "کوشش" کے معنی پہنانا اور فلسفہ جہاد کو بے جان کرنا۔ اسلامی غیرت کو what wrong will it کے تحت ختم کرنا۔ اور ایسی حرکات کرنا جو مسلمان کا شیوہ نہیں۔ ایک ایک میدان کا اگر مطالعہ پیش کیا جائے تو کئی کتابیں لکھی جا سکتی ہیں۔

بہرحال ہم فی الحال چند فوجی پہلوؤں سے پردہ اٹھائیں گے۔

سیالکوٹ محاذ سے جموں پر حملہ روک دینے کے بعد لیاقت علی نے کرنل ہوبرٹ کی دعوت پر پاکستان آرمی کی جس رجمنٹ کا سب سے پہلے معائنہ کیا وہ کرنل ہوبرٹ کی سولہ پنجاب تھی۔ اس وقت تو ہم بات کی تہہ تک نہ پہنچ سکے لیکن یہ ایک چال تھی۔ لوگوں اور فوجیوں کی توجہ کشمیر کے محاذ سے ہٹانے کا ایک بہانہ تھا کرنل ہوبرٹ نے فوجیوں کو لیاقت کے معائنہ کے لئے پریڈ کی تیاری پر لگا دیا اور محاذ پر جانے کی بجائے فوجی امن کے زمانے کی صفائی اور رجمنٹ وردیوں کے چکر میں پڑ گئے۔

سیالکوٹ کا ڈپٹی کمشنر ایم ایم احمد (غلام کذاب کا پوتا) یہی کام سول کے لئے کر رہا تھا۔ اور آخر اکتوبر ۴۷ء میں لیاقت علی سیالکوٹ پہنچا۔ اس نے کرنل ہوبرٹ اور ایم ایم احمد کے ساتھ خفیہ کانفرنس کی جس میں کرنل ہوبرٹ نے استعفیٰ دے دیا کہ یہ کام اس کے بس کا نہ تھا۔

ادھر قائد اعظم حکم پر حکم دے رہا تھا کہ پکی اور لٹا کا فوج کو سرحد سے ہٹا کر سیالکوٹ بھیجا جائے۔ تاکہ بھارت حیدر آباد میں کوئی کارروائی کرے یا جیسے موقع ملے جموں کٹھوعہ روڈ پر حملہ کیا جائے۔ تو تقریباً بریگیڈ فوج نومبر تک سیالکوٹ میں اکٹھا ہو جانا تھا۔ لیکن ساتھ ہی لیاقت علی یہ نہیں چاہتا تھا کہ ادھر سے حملہ ہو۔ اس لئے جنرل گریسی کے ساتھ مل کر اس نے سیالکوٹ محاذ کے لئے بریگیڈیر افتخار خان کو چنا۔ جو انہی دنوں تازہ تازہ ولایت سے کورس کر کے آیا تھا۔ اور چند ماہ کرنل کے عہدہ پر رہ کر بریگیڈیر بنا تھا۔ اس کے ساتھ ایک انگریز "بریگیڈ میجر" کو "نتھی" کر دیا گیا۔

سیالکوٹ پہنچ کر ان بریگیڈیر صاحب نے جنگ کی تربیت کی طرف توجہ دینے کی بجائے زیادہ دیر اینٹوں کو چونہ لگانے اور چھاؤنی میں باغات لگانے پر دی۔ دراصل جب لیاقت علی سیالکوٹ آیا تھا تو کچھ فوجیوں اور سویلین نے اس کو کھری کھری باتیں سنائیں۔ کہ سیالکوٹ سے حملہ کیوں نہ کیا گیا۔ فوجی سویلین کپڑے پہن کر مجاہدوں کے ساتھ جاتے اور جموں کٹھوعہ روڈ کو کاٹ دیتے۔ لیاقت اس لئے بریگیڈ افتخار کی مدد سے ایسے فوجیوں کے منہ بند کرنا چاہتا تھا۔ بریگیڈیر افتخار نے لوگوں کو اتنا ڈرا دھمکا دیا او اینٹوں پر چونا اور صفائی کی غلطیاں نکالتے وقت وہ افسروں پر برس پڑتا تھا، اور لوگ ڈر گئے۔ چنا دسمبر ۴۷ء میں بریگیڈیر افتخار نے چھاؤنی کے تمام افسروں اور سرداروں کو اکٹھا کیا۔ وہاں ایک لمبی چوڑی تقریر کر ڈالی جس کا اصل مقصد یہ تھا کہ ان کے منہ کو بند کیا جائے۔ جو کشمیر کے سلسلہ میں کچھ کارروائی کے حق میں تھے۔ اور اس نے یہاں تک کہہ دیا:-

"کچھ سر پھرے لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ بھارت کے ساتھ جنگ میں کوئی ہرج نہیں۔ ان کو معلوم نہیں کہ بھارتی فوج ہم سے تین گنا زیادہ ہے۔ ہم ان کے ساتھ جنگ نہیں کر سکتے۔"

افسروں اور سرداروں پہ سکوت چھا گیا لیکن اس گنہ گار سے نہ رہا گیا عرض کی کہ:-

"فوج کو توڑ دیں اور ہمیں گھر چلے جانا چاہیئے۔"

بریگیڈیر صاحب بولے۔ "یہ کیا بکواس ہے" عرض کی۔ "جناب! ایسی باتیں کہنا تو نہ چاہئیں اور اس اپنے آپ کو بے جان تو کہنا چاہیئے۔"

بہرحال یہاں بھی مرزا کذاب والی چال تھی۔ کہ جہاد کو بے جان کیا جا رہا تھا۔ راقم کو وہاں سے تبدیل "راہوالی" (گوجرانوالہ) بھیج دیا گیا۔ اور بریگیڈیر افتخار صاحب نے سیالکوٹ کے علاقہ میں فوج کو مکمل کر لیا۔ اور سیالکوٹ کے ارد گرد مرالہ تک مجاہدین کا ایسا صفایا کرایا گیا، کہ اکھنور کے محاذ سے بھی ج کو پسپائی اختیار کرنا پڑی۔ اور جنوری ۴۸ء تک افتخار صاحب کو "میجر جنرل" بنا کر لاہور تعینات

کہ پورا پنجاب ان کے ماتحت تھا۔ اور ان کا انگریز مشیر اور بریگیڈ میجر ان ہی کے ساتھ لاہور چلا گیا۔ جہاں اس کو کرنل اور جی ون بنا دیا گیا۔

سیالکوٹ، بریگیڈیر محمد موسیٰ صاحب کو دیا گیا جنہوں نے ستمبر ۶۵ء میں رہی سہی کسر بھی نکال دی۔ اور اس زمانے میں بھی افتخار۔ یا انگریزوں یا قادیانیوں کی سب باتیں جانتے رہے۔ دراصل موسیٰ صاحب کو کمانڈ کا کوئی تجربہ نہ تھا اور آگے بھی زیادہ عرصہ بریگیڈ کی کمانڈ نہ کی۔ اور ڈویژن کی کمانڈ بھی ایسی جگہ کی جہاں پر کوئی خاص فوجی کام نہ تھا۔ کہ اس کو "لنگڑا ڈویژن" کہتے تھے کہ اس میں دو بریگیڈ تھے۔ اور لوگ چھاؤنیوں میں پڑے رہتے تھے۔

ہماری بدقسمتی کہ یہی موسیٰ صاحب ہمارے کمانڈر بنے اور اس کی واحد وجہ یہ تھی۔ کہ انہوں نے زیادہ نوکری انگریزوں کی خفیہ سروس میں کی تھی۔ اور یہی بات ان کو پاکستان میں اتنا اونچا لے گئی۔ ان جنرل افتخار صاحب کے بارے میں بھی مشہور تھا کہ انہوں نے پاکستان میں پہلا کمانڈر انچیف بننا تھا۔ لیکن وہ جہاز کے حادثہ میں ہلاک ہو گئے۔ اور ایوب خان کمانڈر انچیف بن گیا۔ اور اس نے جو چاند چڑھائے ان سے پھر کبھی پردہ اٹھایا جائے گا۔ اور اگر افتخار صاحب کمانڈر انچیف بن جاتے تو وہ بھی انگریزوں کے آدمی تھے تو انہوں نے بھی وہی کرنا تھا جو بعد میں ایوب خان نے کیا۔

لطف کی بات یہ ہے کہ جس دن سیالکوٹ میں افتخار صاحب ہمیں ڈانٹ ڈپٹ دے رہا تھا۔ اسی دن راولپنڈی میں انگریز کمانڈر انچیف جی۔ ایچ۔ کیو کے افسروں کو یہی کچھ کہہ رہا تھا۔ اور میجر جنرل اکبر خان جو راولپنڈی سازش والے مقدمہ میں بعد میں ملوث ہوئے اور اس زمانے میں کرنل تھے۔ انہوں نے لکھ کر انگریز کمانڈر انچیف کو وہی کچھ دیا جو راقم نے اسے سیالکوٹ میں کہا تھا۔ اور یہ بات راقم کو ۱۹۶۸ء میں پتہ چلی جب اکبر خان کی کشمیر کی سازش کے سلسلہ میں کتاب پڑھی۔

ظاہر ہے کہ دنیا کی کسی پیشہ ور فوج کے افسر ایسی تقریریں نہیں کرتے جو ہم نے راولپنڈی اور سیالکوٹ میں سنی تھی۔ تو ہم دونوں پیشہ ور سپاہیوں کے ردعمل ایک جیسے تھے۔ ادھر سازش کا یہ زور تھا۔ لیکن قائد اعظم کو اندھیرے میں رکھا جاتا تھا۔ جب قائد اعظم نے حکم دیا کہ مجاہدین کی مدد کے لئے کچھ نہ کچھ فوج کشمیر میں بھیجی جائے تو اس فوج کے ساتھ ایک قادیانی بریگیڈیر ضیاء الدین کو پونچھ کے علاقہ میں بھیجا گیا۔ پونچھ پر مجاہدین قبضہ کرنے والے تھے۔ لیکن ظفر اللہ اور ضیاء الدین نے تجرباتی "فائر بندی" کرا کے بھارت کو الٹا موقعہ دیا کہ وہ اپنی پونچھ میں گھری ہوئی افواج کو اور کمک بھیج سکے۔

اور آخر ۱۹۴۸ء مئی کے مہینہ میں جو افواج کشمیر میں داخل ہوئیں وہ سب چھمب جوڑیاں سے شمال یا

شمال مغرب میں تھیں۔ لیکن نوشہرہ۔ راجوری یا اکھنور کے علاقوں میں کوئی فوج نہ بھیجی گئی۔ اور جموں کٹھوعہ روڈ تو نہیر بالکل محفوظ رہی۔ ادھر تو مجاہدین کو جانے ہی نہیں دیا جاتا تھا۔ اور اس طرح بھارت والے کشمیر میں اپنی افواج کو کمک بھیجتے رہے۔

قائداعظم کو یہ بتایا گیا کہ اگر بھارت نے حیدرآباد پر حملہ کیا تو پھر ہم لوگ جموں کٹھوعہ روڈ کو کاٹ دیں گے اور سیالکوٹ کا دفاع ۱۰۳ بریگیڈ کرے گا۔ اور جہلم کے نزدیک سے قاضی باقر کے نمبر ۱۰۰ بریگیڈ تیار بیٹھا رہے گا اور ضرورت پڑنے پر جموں کٹھوعہ روڈ کو کاٹ دے گا۔ لاہور کا دفاع ۱۱۴ بریگیڈ کرے گا۔ اور چودہ نمبر پیرا بریگیڈ ریزرو کا کام کرے گا وغیرہ۔

یہ تجویز بڑی عمدہ نظر آتی تھی۔ راقم ان دونوں یونٹوں کے انٹیلجنس افسر کے طور پر کام کر رہا تھا اور سلیمانکی۔ قصور اور واہگہ تینوں جگہوں سے وابستہ رہ چکا تھا۔ ستمبر۔ اکتوبر ۱۹۴۸ء میں مشرقی پنجاب میں بھارتی افواج بریگیڈ ہیڈ کوارٹر کے ماتحت اگلے محاذ پر تھیں۔ اور بڑی کمزور قسم کی بٹالین تھیں۔ جن میں غیر لڑاکا لوگ تھے۔ سارا دفاع بکتر بند ڈویژن کی مدد سے کرنا تھا۔ کہ اچھی بٹالین کشمیر یا حیدرآباد کے علاقوں میں تھی اور ہمارا بکتر بند بریگیڈ بھی گجرات پہنچ چکا تھا۔ اس لیے جس دن بھارت نے حیدرآباد پر حملہ کیا اس دن تجویز کے مطابق اگر ہم جموں کٹھوعہ روڈ کاٹ دیتے تو کشمیر میں بھارتی افواج میں بھگدڑ مچ جاتی۔ اور ساتویں اور نویں ڈویژن کی یونٹیں آگے بڑھ کر کشمیر پر قبضہ کر لیتیں۔ مشرقی پنجاب یا راجپوتانہ کے علاقہ میں خاطر خواہ قسم کی اتنی افواج موجود نہ تھیں جو مغربی پاکستان پر حملہ کر سکتیں۔

لیکن جو کچھ ہوا اس سے قوم آگاہ ہے۔ بھارتی افواج حیدرآباد کے چاروں طرف پھیلی ہوئی تھیں۔ اور قائداعظم کی وفات کی انتظار تھی۔ کہ حیدرآباد پر دھاوا بولا جائے یعنی سازش اتنی گہری تھی کہ بھارت والوں کو یہ بھی پتہ تھا کہ قائداعظم کا وقت نزدیک آ پہنچا ہے۔ اس چیز سے لیاقت علی کو الگ نہیں کیا جا سکتا۔ اور راقم نے ۱۹۷۹ء میں اخبار نوائے وقت میں متعدد مضامین لکھے۔ جن کی مدد سے بعد میں ہمارے موجودہ وزیر قانون مسٹر شریف الدین پیرزادہ نے کچھ مضامین لکھے اور لیاقت علی کے اس بھیانک کردار سے پردے اتارے گئے۔

حیدرآباد پر قبضہ کرنے کے بعد بھارتی افواج کو کشمیر لایا گیا۔ اور اکتوبر ۱۹۴۸ء میں انہوں نے آگے بڑھ کر راجوری اور مینڈھر کے متعدد علاقوں پر قبضہ کر لیا۔ اور پاکستانی افواج تماشائی بن کر کشمیر کے چند علاقوں میں بیٹھی رہیں اور جب بھارت کے عزائم مکمل ہو گئے تو نومبر اور دسمبر ۱۹۴۸ء میں ہماری افواج گجرات سے شمال میں بھمبر اور کبوتر گلہ میں اجتماع کیا گیا کیونکہ فائر بندی کا ڈرامہ کرنا تھا۔ اب حیرانگی کی

بات یہ ہے کہ ایسا ڈرامہ بھی سیالکوٹ کے علاقہ سے بہت دور کیا گیا۔ کہ اپنا ایسا اجتماع دیکھ کر کوئی من چلا واقعی جموں۔ کٹھوعہ روڈ پر قبضہ نہ کرلے یا قادیان میدانِ جنگ نہ بن جائے۔

تو اس ڈرامہ میں چونکہ راقم خود شامل تھا تو ذرا تفصیل سے سنیئے۔

راقم چودہ بریگیڈ کی ایک بٹالین کا انٹیلجنس افسر تھا اور اس بریگیڈ کو کبوتر گلہ۔ بھمبر کے علاقہ میں لایا گیا۔ کہ یہ بریگیڈ بیڑی پتن پر حملہ کرے گا۔ پاکستانی فوج کے سارے توپ خانہ اور متعدد پلٹنوں کو مثلاً ۱ پنجاب First الیف الیف اور ۱۰۔ الیف الیف وغیرہ کو بھی ادھر لایا گیا۔ بڑی تجویز بنائی گئی کہ بیڑی پتن پر قبضہ کرکے دریائے چناب تک کے علاقوں پر قبضہ ہو جائے گا وغیرہ

دراصل یہ سب کچھ مجھ جیسے "سر پھرے" لوگوں کی زبان بند کرنے کے لئے کیا جا رہا تھا۔ کہ ہم کہتے تھے کہ بھارتی فوج دندناتی پھرتی ہے۔ اور ہم بے غیرت ہیں کہ کچھ نہیں کرتے ورنہ حملہ کرنے کا وقت تو ستمبر تھا جب بھارتی افواج حیدر آباد پر حملہ کر رہی تھیں۔ اب تو بھارتی افواج مشرقی پنجاب اور کشمیر کے علاقوں میں آ چکی تھیں۔ پھر سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ بیڑی پتن پر حملہ کیسے ریچھ اور ہاتھی جیسے پہاڑوں کے ساتھ سر پھوڑنے کی بجائے یہ حملہ جموں کٹھوعہ روڈ پر کیوں نہیں کیا جاتا۔ تو ہمیں کہا جاتا تھا کہ ہم لوگ فوجی حکمت عملی کی باتوں کو نہیں سمجھتے۔

بہر حال دسمبر ۴۸ء کے آخری ہفتوں میں ایک دن توپوں کے دن کھول دئے گئے۔ لیکن حملہ نہ کیا گیا کسی عسکری تاریخ میں ایسے فضول قسم کے فائر کی ساری دنیا میں مثال نہیں ملتی۔ کہ اتنا فائر کیا جاتے اور فوجیں آگے بڑھ کر حملہ نہ کریں۔ دراصل یہ فائر ان لوگوں کا منہ بند کرنے کے لئے کیا گیا جو میری طرح یہ کہتے تھے کہ ہم کچھ نہیں کرتے۔ اور اس فائر کے بعد مشہور کر دیا گیا کہ بھارت کا بڑا نقصان ہوا ہے۔ اور بھارت والے فائر بندی پر تیار ہو گئے ہیں۔ اب کشمیر میں رائے شماری ہو گی۔ یہ سارا کام اور یہ سارا ڈرامہ قادیان سے بہت دور رچایا گیا جس کو پاکستانی فوج کا ایک انگریز میجر جنرل لافٹس ٹائیہم کنٹرول کر رہا تھا جس کو ایک طرف ہمارا انگریز کمانڈر انچیف گریسی ہدایات دیتا تھا۔ تو دوسری طرف جنرل کا تھورن جو لیاقت۔ ظفر اللہ اور سکندر مرزا کے ساتھ مل کر پاکستان کی باگ ڈور سنبھالے ہوئے تھے۔ اور اس کا ذکر پچھلی قسط میں ہو چکا ہے۔ اس کو بھی انگریزوں کی خفیہ سروس کا ماہر مانا جاتا تھا۔ اور راقم اس کو ذاتی طور پر جانتا تھا کہ وہ میری پرانی رجمنٹ کا تھا۔

فائر بندی کرانے کے بعد انگریز کمانڈر انچیف نے ہماری فوج کو نہ صرف چھاؤنیوں میں محدود کر دیا۔ بلکہ اینٹوں پر چونا لگانا چھاؤنیوں میں پھول اور باغ لگانا اور یونٹوں کے سو سالہ منانے کے کاموں پر لگا دیا بڑے بڑے اجتماع ہوتے تھے یہاں ہماری یونٹوں کے ان کارناموں پر فخر کرنا سکھایا جاتا تھا جو انہوں نے

انگریزوں کے زمانے میں گئے۔ اور یہ چیز ہمارے فوجیوں کے دماغوں میں اتنی پکی ہو چکی ہے کہ آج بھی ہماری افواج وہ جھنڈے اٹھائے پھرتی ہیں جو انہوں نے سرنگاپٹم میں سلطان ٹیپو کے خلاف کیا یا ۱۸۵۷ء میں مہلی کیا۔ یا افغانستان کی تین جنگوں یا پہلی اور دوسری عظیم جنگوں میں کیا۔ ساتھ ہی حکم ملا کہ فوجی تربیت انگریزوں کی پرانی تربیت پر ہو گی۔ اور کشمیر کی جنگ میں افواج نے جو کوئی کام کیا ہے وہ اچھے اسباق نہیں کہ یہ معمولی اور پہاڑی لڑائی تھی۔ انگریزوں کی سازش کی ان باتوں سے تنگ آکر میجر جنرل اکبر خان نے حکومت پر قبضہ کرنے کی کوشش کی جسے ہم راولپنڈی سازش کا مقدمہ کہتے ہیں۔ مجھے اکبر خان کے ساتھ اور اس کے ساتھیوں سے کئی اختلافات ہیں۔ کہ وہ لوگ بھی اسلام سے کافی دور تھے اور بیچ میں فیض احمد فیض جیسے سرخے بھی تھے۔ لیکن کچھ اچھے لوگ بھی تھے۔ کہ وہ انگریزوں کی سازشوں سے تنگ تھے۔ اور بیشک اکبر خان فوجی معاملات کا ماہر تھا۔ ہمارے ایوب خان یا موسیٰ خان، اکبر خان کے مقابلے میں بونے تھے۔

لیکن کمال ہے، قادیانوں کا کہ وہ لوگ اس سازش میں بھی شریک تھے کہ اگر اکبر خان کامیاب ہو جائے تو وہاں بھی ان کی "نمائندگی" ہونی چاہئے۔ وہاں ظفر اللہ کا ہم زلف میجر جنرل نذیر احمد تھا جسے اس مقدمہ میں صرف ایک دن کی سزا ملی اور سویلین نوکری دے دی گئی۔ باقی سازش والے کئی سال جیلوں میں پڑے رہے۔

۱۹۵۱ء میں جب ایوب خان کمانڈر انچیف بن گیا تو فوج میں آواز اٹھی کہ ہماری فوج کو اسلامی فوج بنایا جائے تو ایوب خان نے بات مان لی اور جنرل ہیڈ کوارٹر میں ایک ادارہ کھولا گیا کہ اس سلسلہ میں لوگ یا فوجی ماہرین تجاویز بھیجیں اور ان کا مطالعہ کیا جائے۔ اب لطف کی بات یہ ہے کہ اس ادارہ کا سربراہ بھی کرنل صفدر بیگ کو بنایا گیا جو نہ صرف قادیانی تھا بلکہ مرزا غلام کذاب کی کسی بیوی کا رشتہ دار بھی تھا اور صفدر کی اپنی بیوی عیسائی تھی اس کرنل صفدر نے فوج میں رہتے ہوئے یا بعد میں فوجی فاؤنڈیشن میں رہ کر "قادیانی ازم" کی بڑی خدمت کی۔ اور اس کا اصول یہ ہے کہ ہر مسلمان کو ماڈرن یا بے دین کر دیا جائے۔ دراصل صفدر کی نسل کے کئی لوگ فوج کے کئی حصوں میں چھا گئے تھے کہ انگریز کمانڈر انچیف جاتے جاتے ایک قادیانی بریگیڈیر وحید حیدر کو ملٹری سکریٹری بنا گیا۔ اور یہ چونکہ افسروں کی ترقی یا تعیناتی ملٹری سکرٹری کرتا ہے تو اس وحید حیدر نے جگہ بجگہ قادیانی افسر بھر دئے۔ ساتھ ہی یہ طریقہ اختیار کیا کہ قادیانی عورتیں ان لوگوں کے ساتھ شادی کریں جنہوں نے فوج میں ترقی کرنا ہو۔ چنانچہ آدم خان شیر بہادر، حمید بھوپالی وغیرہ جو قادیانی نہ تھے اور بعد میں ہماری فوج میں جنرل بن گئے ان سب کی بیویاں قادیانی تھیں۔ اس سلسلہ میں افسروں کے لئے "کشش" پیدا کرنے کے طریقے از خود ایک کہانی ہے۔ اور یہ سب لوگ رسول عربی ؐ کے اسلام کے نفاذ میں رکاوٹ تھے۔

بہر حال ۱۹۵۲ء میں بریگیڈیر وحید حیدر کے خلاف شور مچ گیا تو ایوب خان نے اسے تبدیل کر دیا۔ لیکن اس

کی جگہ ایک بے دین آدمی برگیڈیر عبدالحمید آیا جس نے بعد میں جنرل یحیٰ کے حواری کے طور پر پاکستان کو دولخت کردیا۔ تو قارئین یاد رکھیں کہ انگریز۔ قادیانی اور بے دین لوگوں میں قدرے مشترک ہے۔ اور ابن الوقت یا بے غیرت لوگوں کو یہ لوگ ساتھ ملا کر سازشوں کو پروان چڑھاتے ہیں۔ اور وہ اصل اصلی "تاشقند" کے راز یہ ہیں۔

اب سیالکوٹ اتنی اہم چھاؤنی تھی لیکن جب امریکنوں کی امداد کے تحت فوج میں بڑھوتری بھی ہوئی تو سیالکوٹ میں فوج ایک ہی برگیڈ رکھی گئی۔ جس کے شروع کے کمانڈر تو غیر قادیانی تھے۔ لیکن جلدی سے وہاں پر ایک قادیانی میاں غلام جیلانی کو ڈویژن کمانڈر بنا دیا گیا۔ کہ اس علاقے سے کوئی ایسی تجویز نہ بنائی جائے جس کے ذریعے سے قادیان میدانِ جنگ بن جائے۔ لیکن ساتھ ہی قادیانی اب مرکز پر قبضہ کرنے یا اس پر کنٹرول کرنے کی سوچ رہے تھے۔ اور اس کام کے لئے جنرل اختر ملک اور اس کے بھائی عبدالعلی ملک کو تیار کیا جا رہا تھا راقم ان دونوں اور ان کے باپ غلام نبی کو بھی جانتا تھا۔ کہ یہ لوگ بھی میری رجمنٹ کے تھے۔ یہ لوگ پہلے تو تسلیم بھی نہ کرتے تھے کہ وہ قادیانی ہیں۔ انہوں نے اپنی شخصیتوں میں کمال درجہ کی کشش پیدا کرلی تھی اور افسروں کا بڑا گروہ ان کا مداح تھا۔ چنانچہ ایوب خان کے آجانے کے بعد ذوالفقار علی بھٹو نے بھی اختر ملک کے ساتھ یارانہ گانٹھا۔ اور ستمبر ۱۹۶۵ء کی جنگ میں جنرل موسیٰ کی نالائقی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے سب کچھ بھٹو اور اختر ملک نے کیا۔ راقم ستمبر ۶۵ء کی جنگ سے پہلے تین سال اس پلٹن کے ساتھ وابستہ تھا جو صدر ہاؤس پر متعین تھا اور اس زمانے میں ان عجیب وغریب طلاپ یا ملاقاتوں کو دیکھتا رہا۔ لیکن بعد میں حالات نے ظاہر کیا کہ یہ ایک سازش تھی۔ اختر ملک اور بھٹو اور ایم ایم احمد بڑی باقاعدگی سے ایک مسٹر سبحان کے گھر میں ملاقاتیں کرتے تھے۔ اور آخر انہوں نے کشمیر میں گوریلا کارروائی شروع کی جس میں لینے کے دینے پڑ گئے۔ اور جنرل موسیٰ آج کل کوشش کر رہا ہے کہ وہ "بے قصور" تھا۔ ایوب خان کو ان لوگوں نے پھانس لیا۔

پوری سازش سے پردہ اٹھانے کے لئے تو ایک کتاب کی ضرورت ہے۔ لیکن قارئین حیران ہوں گے کہ قادیان کی حفاظت کا اتنا خیال تھا کہ یکم ستمبر ۶۵ء کو بھارت کے خلاف اختر ملک نے جو جارحانہ کارروائی کی وہ چھمب جوڑیاں سے کی۔ نہ کہ سیالکوٹ سے۔ کہ قادیان میدان جنگ نہ بن جائے۔ سیالکوٹ کی حفاظت کے لئے جو بکتر بند دستے گوجرانوالہ میں متعین تھے ان کو بھی چھمب جوڑیاں کی طرف جھونک دیا۔ اور سیالکوٹ کے لنگڑے ڈویژن میں ایک آدھ پلٹن کا اضافہ کر کے اس کو مرالہ۔ سجیت گڑھ۔ شکر گڑھ ظفروال۔ چونڈہ۔ پسرور اور ڈیرہ بابا نانک تک کے علاقوں کی ذمہ داری سونپی گئی۔ اور جب بھارت کے بکتر بند دستوں نے اس طرف سے حملہ کیا تو اللہ نے لاج رکھ لی۔ اور کچھ جیالے اپنی جانوں پر کھیل گئے ورنہ بھارتی ۹ ستمبر کو وزیر آباد پہنچ گئے ہوتے۔

اب ہمارے لوگ جاگے۔ اور کھیم کرن سے بھی بکتر بند دستے ادھر بھیجے اور جنرل ابرار نے پہلے بھی سیالکوٹ کے محاذ پر اپنی جان پر کھیلنے کا حکم دے دیا تھا۔ تو کچھ علاقہ بچ گیا۔ پھر بھی بھارت کی فوج نے سیالکوٹ کے کافی علاقے پر قبضہ کر لیا۔

بہر حال جنگ کے آخری دنوں سیالکوٹ کے محاذ پر ہمیں پھر برتری حاصل ہو گئی۔ اور ہم جموں۔ کٹھوعہ روڈ پر قبضہ کر سکتے تھے۔ لیکن جنرل صاحبزادہ یعقوب نے کہا کہ اب فائر بندی ہونے والی ہے اور خواہ مخواہ جانوں کا ضیاع ہو گا۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ صاحبزادہ یعقوب نے ایسا اختر ملک کے بھائی عبدالعلی ملک، قادیانی کے مشورہ سے کیا (واللہ اعلم)

لیکن حیرانی کی بات یہ ہے کہ اختر ملک اور عبدالعلی ملک آج بھی ہماری فوج کے بڑے ہیرو مانے جاتے ہیں۔ لیکن افسوس ہم نے کوئی سبق نہ سیکھا۔ دسمبر ۱۹۷۱ء میں تجویز یہ تھی کہ بھارت جب مشرقی پاکستان پر حملہ کرے گا تو مغربی پاکستان سے بھی حملہ ہو گا اس کے لئے کچھ محدود جارحانہ کارروائیوں کی تجویز بنی اور ایک بھرپور جارحانہ کارروائی کی تجویز تھی۔ خیر بھرپور جارحانہ کارروائی کا وقت نہ آیا یا وہ سازش کا شکار ہو گیا۔ لیکن مغربی پاکستان سے جو محدود جارحانہ کارروائیاں کی گئیں وہ ایک غلط جگہ سے پونچھ کے ساتھ سر پھوڑا۔ جو ایک قصور کے نزدیک قیصر ہند پر حملہ کیا گیا۔ ایک جیسمیر کی طرف دھاوا کیا۔ لیکن جو محدود حملہ کرنے کی جگہ تھی۔ یعنی جموں۔ کٹھوعہ روڈ، وہاں پر محدود کارروائی کو تو چھوڑا جاتے۔ الٹا پسپائی اختیار کی گئی۔ کہ ہم دشمن کو شہ دے رہے ہیں کہ وہ ہمارے علاقے میں اندر گھس آئے۔ اور پھر اس کو ختم کریں گے۔

اب ہم دشمن کو تو ملیا میٹ نہ کر سکے۔ الٹا وسیع علاقوں سے ہاتھ دھونا پڑا۔ اور اس علاقہ میں کرنل اکرم شہید اور قیصر ہند میں کرنل غلام حسین شہید نے اپنی جانوں کی قربانی دے کر ہماری عزت رکھ لی ورنہ سیالکوٹ محاذ پر بُری شکست کھائی۔ اور آگے نہ بڑھے کہ قادیان میدان جنگ نہ بن جائے۔ اور قادیانی جنرل عبدالعلی ملک اس علاقے میں موجود تھا کہ قادیان کی طرف کوئی کارروائی نہ ہو۔ پاکستان اور پاکستان کی عزت کا کس کو خیال تھا۔

قارئین یہ تو مختصر طور پر قادیانیوں کی اُن سازشوں کا ذکر کیا گیا ہے جو بالکل ظاہر ہیں لیکن انگریز۔ قادیانی اور بے دین لوگ اسلام کے نفاذ میں جو روڑے اٹکا رہے ہیں اور وہ جو گہری سازش ہے اس پر پردے کسی اگلی قسط میں اٹھائے جائیں گے۔ لیکن راقم ان سب لوگوں سے اس طرح واقف نہیں جس طرح فوج سے واقف ہے حضرت علی طور پر ان غیر اسلامی باتوں سے پردہ اٹھائے گا۔ اور یہ تجربہ واقعاتی ہو گا۔ زبانی کلامی جمع تفریق نہ ہو گی اور مہروں کا نام ذکر نہ ہو گا لیکن قارئین اندازہ تو لگائیں کہ ان دو قسطوں میں راقم نے کتنے مہروں کا ذکر کر دیا ہے لیکن قوم آج بھی ان باتوں سے بے خبر ہے۔ اور راقم پر بھی ان میں سے اکثر چیزیں اب وارد ہوئیں۔ وما علینا الا البلاغ (جاری ہے)

(وقائع نگار خصوصی الحق)

ربوہ کی خُفیہ ڈائری

قادیانیوں کے خلاف آرڈی ننس کا اجراء صدر مملکت کا ایک مومنانہ اور جرأت مندانہ فیصلہ ہے جس کے لئے عالم اسلام ان کا ممنون ہے۔ آرڈی ننس کے اجراء کے فوراً بعد قادیانیوں کا ربوہ میں ایک خفیہ اجلاس قصر خلافت کی قلعہ نما دیواروں کے اندر منعقد ہوا۔ جس میں صدر انجمن احمدیہ کے چند اراکین اور جماعت کے مقتدر افراد نے حصہ لیا۔

مرزا طاہر احمد نے اس اجلاس میں اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ یہ اجلاس غیر رسمی تھا۔ زیادہ تر متبادل تجاویز اور اراکین جماعت کے مشوروں اور آرڈی ننس کے مضمرات پر گفتگو کی گئی۔ اجلاس کے فیصلے اور تجاویز کی نوعیت کا کچھ پتہ نہ چل سکا۔

ربوہ کا عام قادیانی قطعی خاموش تھا اور اپنے سربراہ کے حکم کا منتظر تھا۔ اتنا عیاں تھا کہ اول تو قادیانیوں کو اس بات کا علم نہ تھا کہ حکومت ایسا اقدام کر سکتی ہے۔ دوسرے وہ تصادم سے قطعاً گریزاں تھے۔ ان کا خیال یہ تھا کہ تصادم کے نتیجے میں ان کی جماعت کو سخت نقصان پہنچ سکتا ہے۔ اس لئے اپنے موقف میں لچک پیدا کر کے حکومت کے حکم کو تسلیم کر لیا جائے۔ پاکستان کی جماعتوں کے امیروں کو حکم روانہ کیا گیا کہ مسجد کا لفظ مٹا دیا جائے۔ اور اذان بند کر دی جائے۔ قادیانیوں کو اس بات کا شدید ڈر تھا کہ مجلس تحفظ ختم نبوت کے اراکین حکومت سے اندرون خانہ ساز باز رکھتے ہوں اور ان کے خلاف یہ تحریک حکومت کی سرپرستی میں نہ چل رہی ہو۔ اس خدشہ کے پیش نظر ان کو وہم تھا کہ اگر مرزا طاہر احمد نے جمعہ ۲۷ اپریل ۸۴ء کے روز کوئی بھی بات یا تقریر کی تو حکومت اس کو جواز بنا کر انہیں گرفتار کرے گی۔ اور اسی طرح اور کئی قادیانی جن میں صدر انجمن احمدیہ کے ممبر شامل ہیں گرفتار کر لیے جائیں گے۔ ان کا یہ بھی خیال تھا کہ اسلم قریشی کی گمشدگی کے نتیجے میں مرزا طاہر احمد کو شامل تفتیش کرنے کا مطالبہ اسی لئے کیا جا رہا ہے کہ جماعت کے سربراہ کو گرفتار کر کے مقدمہ چلایا جائے اور ان کی تحقیر کی جائے۔ قادیانیوں کے بعض سرکردہ لیڈروں کو خدشہ تھا کہ حکومت جماعت احمدیہ کو سیاسی جماعت قرار دے کر مرزا طاہر پر سیاسی

مقدسہ قائم کرنا چاہتی ہے۔

مرکزی جماعتوں کے بعض افراد اور مربیوں کو فوری طور پر ربوہ طلب کر لیا گیا اور انہیں ہدایات دی گئیں کہ وہ جماعت کا لٹریچر عبادت گاہوں اور لائبریریوں سے اٹھا دیں۔ اور اپنی سرگرمیاں نہایت محدود کر دیں۔ خدام الاحمدیہ کی ڈیوٹیاں لگا دی گئیں کہ وہ مختلف مساجد میں جا کر علمائے کرام کی تقاریر سے مربیوں مطلع کریں۔ اور عبادت گاہوں کے تحفظ کے لئے ہاکی اور دیگر ہلکے اسلحے سے مسلح ہو کر پہرہ دیں۔

حکومت نے ۲۷۔ اپریل سے تین دن قبل مسلح پولیس کا پہرہ لگا دیا تھا تاکہ قادیانی عبادت گاہوں پر لوگ قبضہ نہ کر سکیں۔ چند ایک ایسے واقعات ہو چکے تھے جن کے نتیجے میں مسلمانوں نے قادیانیوں اور لاہوری جماعت کی بعض عبادت گاہوں پر قبضہ کر لیا۔ او روہ ابھی تک جاری ہے۔

قادیانیوں کا خیال تھا کہ پولیس کا پہرہ ان کے تحفظ کے لئے کم اور ان کے ردعمل پر نظر رکھنے کے لئے زیادہ تھا۔

مسجد کی جگہ دار الحمد، بیت الحمد اور بیت الدعا وغیرہ کے نام رکھ دئے گئے۔ قادیانی لٹریچر غائب کر دیا گیا اور ان تمام رسیدوں، چندہ کی کتابوں اور جماعت کے افراد کی لسٹوں کو چھپا دیا گیا جس کے نتیجے میں کسی شخص کے قادیانی ہونے کا ثبوت مل سکتا ہو۔ آپس کی بات چیت میں قادیانیوں نے اپنے غم و غصہ کا اظہار کیا۔ دعا کی ضرورت پر زور دیا۔ اور اسلام کے ابتدائی دور کے واقعات سے اپنے حالیہ حالات کو مشابہت دے کر اپنے مؤقف پر ڈٹے رہنے کا جواز نکالا۔

مرزا طاہر نے حالات کی نزاکت کو بھانپتے ہوئے جو پالیسی وضع کی اس کی رو سے جماعت کو تصادم سے بچانے کو اولیت حاصل تھی۔ وہ تمام قادیانی جن کے گرفتار ہونے کا اندیشہ تھا ربوہ سے پاکستان کے دوسرے حصوں میں چلے گئے اور کچھ لوگ ملک سے باہر چلے گئے۔ سب سے زیادہ اہم بات مرزا طاہر کو تحفظ بہم پہنچانا تھا۔ اس مقصد کے حصول کے لئے سب سے پہلے مرزا طاہر سے ملاقاتوں کا سلسلہ قطعاً بند کر دیا گیا۔ غیر ملکی پریس کے نمائندوں نے آپ کا انٹرویو لینے کی کوشش کی۔ لیکن معذرت کر دی گئی۔

۲۸ اپریل کو مرزا طاہر نے قائم مقام سربراہ مقرر کر دیا اور جماعت کے لئے مختصر سی ہدایات لکھوا دیں قصر خلافت کے قریبی حلقوں نے قادیانی زعماء کو بتایا کہ مرزا طاہر احمد ربوہ سے اسلام آباد جا رہے ہیں۔ ربوہ میں اس خبر کی اس طور پر تشہیر کی گئی کہ ملکی پریس نے اس کو قادیانی حلقوں کے حوالے سے اخبارات کی زینت بنایا۔ یہ خیال کیا جانے لگا کہ مرزا طاہر اسلام آباد جا کر گفت و شنید کرنا چاہتے ہیں اور آرڈی ننس کے نفاذ سے ان کے حوصلے پست ہو گئے ہیں۔ ربوہ سے جہلم جماعت کو اطلاع بھجوائی گئی کہ وہ مرزا صاحب کے قیام کا

انتظام کرے۔ اور اسلام آباد ان کی کوٹھی پر خدام الاحمدیہ کی ڈیوٹیاں لگ گئیں۔ ربوہ سے قادیانیوں کا قافلہ جہلم کی طرف روانہ ہوا۔

مرزا صاحب کی خوشنما کاریں پردے ڈھلیل کر رہے تھے۔ قادیانی کہہ رہے تھے کہ مرزا صاحب پچھلی سیٹوں پر دو خواتین کے ساتھ بیٹھے تھے۔ یہ قافلہ جہلم پہنچا اور وہاں چند گھنٹے قیام کے بعد اسلام آباد کے لئے روانہ ہو گیا۔ یہاں یہ ڈرامہ جاری تھا اور وہاں مرزا طاہر احمد اپنے پرانے آقاؤں کے ساتھ لندن پہنچ چکے تھے۔ قادیانیوں نے حکومت کے اداروں، ربوہ کی مجلس تحفظ ختم نبوت کے افراد اور دیگر لوگوں کو دھوکہ دے کر اپنے سربراہ کو لندن کھسکانے کا بہترین ڈرامہ رچایا۔ مرزا طاہر رات کی تاریکی میں اپنی اہلیہ کے ساتھ کار میں کراچی روانہ ہو گیا تھا۔ جہاں پہلے سے اس کی روانگی کا انتظام مکمل تھا۔

ایک قادیانی ایجنسی کے ذریعے KLM کا ٹکٹ لیا گیا۔ اور چند قادیانیوں کے ہمراہ مرزا طاہر عام مسافروں کی طرح جہاز میں جا بیٹھے۔ ایسا معلوم دیتا ہے کہ حکومتی اداروں کو قطعاً علم نہ تھا کہ مرزا صاحب باہر جا رہے ہیں۔ بلکہ ان کی توجہ جہلم اور اسلام آباد پر مرکوز تھی۔ جہاں دو خواتین اور مرزا صاحب کے خاندان کے ایک فرد سفر کر رہے تھے۔ قادیانی اس سفر کو خدا کا تازہ نشان بتاتے ہیں اور اسے مرزا غلام احمد کی پیشین گوئیوں کی سچائی کی دلیل قرار دیتے ہیں جس کی بہت پہلے خبر دی جا چکی تھی۔ جماعت کے سربراہ کے لئے یہ "ہجرت" مقدر تھی۔ جو ان کے خیال میں پوری ہوئی۔

یہاں یہ بات بتانی ضروری ہے کہ مرزا طاہر کا جون ۸۴ء میں لندن، نائیجیریا وغیرہ جانے کا پروگرام تھا جس کے لئے ان کے کاغذات ویزا وغیرہ پہلے سے تیار تھا۔ اسلام آباد میں اپریل میں قیام کے دوران تمام ضروری کاغذات مکمل تھے اور کسی طور پر ان کے باہر جانے پر کوئی پابندی نہ تھی۔

آرڈیننس کے نفاذ کے بعد انہوں نے لوگوں کو دھوکہ دے کر لندن کی راہ اختیار کی۔ اور وہاں اپنی عبادت گاہ میں ایک فوری اجلاس طلب کیا۔ مرزا طاہر کے فرار کی طرح مرزا محمود احمد نے بھی ہندوستان سے فرار اختیار کیا تھا۔ ۱۹۴۷ء کے اوائل میں انہوں نے اعلان کیا کہ وہ مر جائیں گے لیکن قادیان نہ چھوڑیں گے۔ اس کے کچھ عرصہ بعد ان کو پاکستان جانے کے خواب آنے لگے۔ اور جماعت کو ان کے حال پر چھوڑ کر آپ لاہور آ گئے۔ پہلے میجر جنرل نذیر احمد قادیانی کی کار میں آنے کا خیال تھا۔ لیکن بعد میں کیپٹن عطاء اللہ کی کار میں آئے عینی شاہدوں کا کہنا ہے کہ انہوں نے برقع پہن رکھا تھا اور سوجگیوں کی طرز کا بہروپ بنایا ہوا تھا۔ مرزا طاہر نے بھی کراچی ایئرپورٹ پر چادر لپیٹ رکھی تھی اور منہ کو اس طرح سے چھپایا ہوا تھا کہ ان کی شناخت نہ ہو سکے۔

۱۹۷۴ء کی آئینی ترمیم اور ۱۹۸۴ء کے آرڈی ننس کے بعد قادیانیت کس موڑ پر کھڑی ہے اس پر گفتگو کرنے سے قبل ہم مرزا طاہر احمد کے اس انٹرویو کا ذکر کرتے ہیں جو بی بی سی کے نمائندے غیور الاسلام کو انہوں نے دیا اور جمعہ ۲۵ مئی کی شام کو نشر ہوا۔ یہ قادیانی سربراہ کا پہلا ردعمل تھا۔ اس میں انہوں نے سب سے پہلے آرڈی ننس کی قانونی حیثیت کو نشانہ بنایا اور پھر فرد کے اختیارات اور حکومت کے ضمن میں اس بات کی وضاحت کی کہ حکومت کسی جماعت کے افراد کو تیسرے درجہ کا شہری بنا کر اس کو اپنے قانون کے تحت دبا سکتی ہے لیکن اس کی ذاتی رائے نہیں چھین سکتی۔ اس کی مثال کے طور پر انہوں نے کہا کہ کسی کو کتا کہنا اور بات ہے اور اس بات پر مجبور کرنا کہ وہ بھونکے دوسری بات ہے۔

اسلامی نظام کے قیام اور اسلامی قدروں کے احیاء کی جو تحریکیں ISLAMIZATION کے نام سے جاری ہیں ان کے بارے میں ان کا کہنا تھا کہ یہ ملائیت کے زیر اثر ہیں اور اسلام کو اپنی صحیح صورت میں پیش نہیں کرتیں ان کو انہوں نے بین الاقوامی سازش قرار دیا۔ انہوں نے یہ دعویٰ بھی کیا کہ ۱۹۷۴ء کے بعد لوگ اونچی اونچی دیواروں کو پھلانگ کر قادیانی جماعت میں شامل ہوئے۔ اور ان کی اس ترقی اور کامیابی سے گھبرا کر مخالفین نے شور و غوغا مچا رکھا ہے اور مختلف حربوں سے انہیں دبایا جا رہا ہے لیکن "زندہ قومیں" ان اقدامات سے اور ابھرتی ہیں۔

اس انٹرویو کے بعد حکومت نے مرزا طاہر کے خلاف کارروائی کا حکم دے دیا ہے لیکن اس پر کس طور سے عمل ہوگا اس کے متعلق کچھ معلوم نہیں۔ دوسرے قادیانی جماعت کے ایک سرکردہ خاندان دردفیملی کے مجیب الرحمٰن نے آرڈی ننس کو چیلنج کرنے کی درخواست ہائی کورٹ میں دی ہے۔

لندن کے اجلاس کے بعد قادیانیوں کی افریقہ، انڈونیشیا اور یورپ وغیرہ کی جماعتوں نے مختلف وضعی اور احمدی تنظیموں کے نام سے حکومت کو خطوط اور تاریں روانہ کی ہیں جن میں آرڈی ننس کے خاتمے اور قادیانیوں کو کھل کھیلنے کے مواقع بہم پہنچانے پر زور دیا گیا ہے۔ بیرونی پریس میں جہاں جہاں صیہونی یہود کا قبضہ ہے قادیانیوں کو کافی اہمیت دی جاتی ہے۔ اور ان کے حق میں خبریں دی جاتی ہیں۔ مرزا طاہر نے ایمنسٹی انٹرنیشنل اقوام متحدہ کے کمیشن برائے حقوق انسانی وغیرہ کے نمائندوں سے بات چیت کی ہے اور ان کی توجہ پاکستان میں احمدیہ جماعت کے "خلاف" کئے گئے نام نہاد اقدامات کی طرف مبذول کرائی ہے۔ لندن کے قانونی حلقوں سے بھی رابطہ قائم کیا گیا ہے۔ جو اس سلسلے میں مشورے دیں گے۔ ربوہ میں پہلے سے قادیانی وکلا کا ایک گروپ قائم ہے۔ جو مقدمات کی پیروی میں قادیانی جماعتوں کی مدد کرتا ہے۔

مرزا طاہر احمد کی بیرون ملک سرگرمیوں کی تفصیلات حاصل کرنے کے لئے مجلس تحفظ ختم نبوت کافی اہم

کام انجام دے سکتی ہے ۔ بیرونی دنیا میں پاکستان کے خلاف پروپیگنڈہ اور ملک کے اندر فرقہ وارانہ فتنے کو ہوا دینے کے لئے قادیانی ہزاروں روپے خرچ کر رہے ہیں جن سے قوم کو آگاہ رہنا چاہیئے ۔

لندن میں ماہ مئی کے آخر میں قادیانیوں نے ایک مسجد پر تنازعہ بپا کرانے میں اہم کردار ادا کیا ہے ۔

اسلام دشمن طاقتیں اس جماعت کو بڑی پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتی ہیں ۔ اسرائیل میں ان کا مشن پوری سرگرمی سے کام کر رہا ہے اور اسے صیہونی حکومت کی مکمل پشت پناہی حاصل ہے ۔

ان حالات میں قادیانی جماعت کے متعلق ہمیں کیا پالیسی اختیار کرنی چاہیئے ۔ تاکہ ہم اپنی قوم اور مذہبی اقدار کو بچا سکیں ۔ اور صدر مملکت کے قابل ستائش اقدام کو تقویت بہم پہنچا سکیں ۔ کیونکہ آپ کی مساعی جمیلہ کی بدولت ہی قادیانی فتنہ پر ضرب کاری لگی ہے ۔ ورنہ اس سے پہلے کی ترمیم کے عمل نفاذ سے اس وقت کا برسر اقتدار طبقہ گریزاں رہا ۔ ملتِ اسلامیہ کی پرخلوص دعائیں صدر گرامی کے ساتھ ہیں ۔

آخر میں ہم مندرجہ ذیل معروضات پیش کرتے ہیں جو توجہ کی مستحق ہیں ۔

- سرکاری سطح پر قادیانیت کے بارے میں قرطاس ابیض WHITE PAPER شائع کیا جائے جس میں اس کا اصل روپ واضح ہو ۔
- قادیانیوں کے تمام فنڈ ۔ تحریک جدید ۔ جوبلی فنڈ وغیرہ فوری طور پر منجمد F^EEZE کر دیئے جائیں ۔
- اہم عہدوں پر فائز قادیانیوں کی مکمل فہرستیں بنائی جائیں ۔
- قادیان کے اسرائیل مشن کی نوعیت و کردار کی تحقیق کرائی جائے ۔
- قادیانی کسی صورت میں بھی اپنا مشن لندن ۔ ہالینڈ اور افریقہ وغیرہ منتقل نہیں کریں گے ۔ کیونکہ ان کے بقول پاکستان کا حلمان ان کا شکار رہے ۔ اس لئے ان کے خلاف فوری اقدامات کی ضرورت ہے ۔ اور موجودہ دور میں یہ کارِ خیر انجام پا نا مبارک ثابت ہو گا +

رُوحِ فکر
انسان وقت کے دھارے پر بہتا جاتا ہے
اور حالات کے ہاتھوں بے بس ہے
لیکن کوئی دھن کا پکا اپنی سمت خود مقرر کرتا ہے،
ہمت نہیں ہارتا اور ہاتھ پیر مارے جاتا ہے
اور پھر منزل اس کے قدم چوم لیتی ہے
باشعور انسان اپنی زندگی خود بناتے ہیں اور جب
ایک ہی وقت میں ایک ہی لگن کے ساتھ ایسے انسانوں کی
بڑی تعداد ایک ہی منزل کی طرف بڑھتی ہے
تو قوم کی تاریخ بدل جاتی ہے - ۲۷ رمضان المبارک کو
پاکستان کا قیام اس حقیقت کا شاہد ہے
تاریخ قوموں کے عروج و زوال کی داستان ہے
ہر عروج کا پس منظر ایک ہی ہے
عمل اور مسلسل عمل، جدوجہد اور پیہم جدوجہد
اور ہر زوال عزم اور عمل کے فقدان کا نوحہ ہے
اپنے عزم و عمل سے تاریخ کا رُخ بدل دیجیے
رُوحِ تاریخ کو سمجھیے
Rooh Afza
رُوح افزا
ہمدرد
ہم خدمتِ خلق کرتے ہیں
HRA-1/84
Adarts
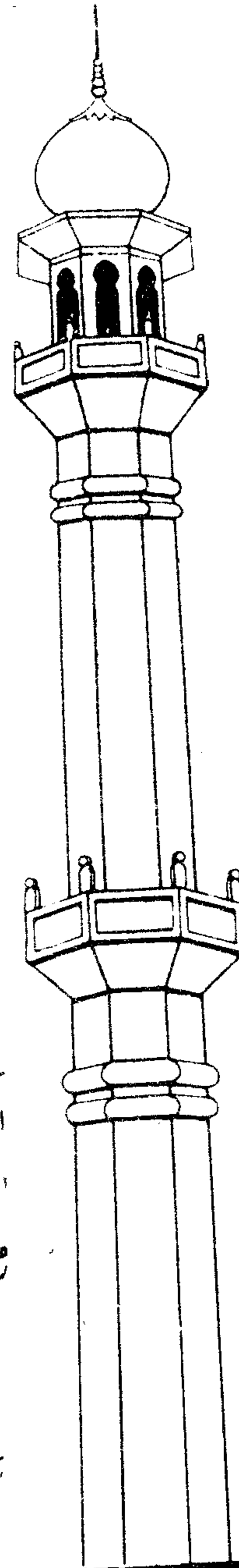
★ از مولانا ابوالحسن علی ندوی مدظلہٗ

★ ترجمہ۔ جناب محی الدین

سوویت روس اور مسلمان

مجلس تحقیقات ونشریات اسلام کے زیر طبع (J.G.TIWARI) تیواری کی نئی انگریزی تصنیف "MUSLIMS UNDER THE CSARS AND THE SOVIETS" (زاروں اور کمیونسٹ روس کے تحت مسلمان) کا مقدمہ حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی نے تحریر فرمایا ہے جو پیش خدمت ہے۔

متعدد قومیتوں پر مشتمل اشتراکی سوویت جمہوریہ متحدہ (یو، ایس، ایس، آر) کی تشکیل سلاوی نسل کے گرد اس طرح کی گئی ہے کہ یہ بظاہر وفاق نظر آتی ہے۔ لیکن حقیقتاً کلی اختیارات مرکز کو حاصل ہیں اور روسی قوم کے ہاتھوں میں فوج اور پولیس کی باگ ڈور ہے۔ سالہا سال سے ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت ایک "نئے سوویت انسان" کے مفروضہ کو حقیقت کا جامہ پہنایا جا رہا ہے جس کے پیچیدہ کار میں دو باتوں یعنی سوویت شہریوں کو ایک دوسرے کے قریب تر لانے اور اپنے قومی تشخص کو ایک دوسرے میں ضم کرنے کو خصوصی اہمیت دی گئی ہے۔ لیکن اس طریقہ کار کا اصل مقصد اقلیت کی ثقافت کو ختم کر کے روسی ثقافت کو فروغ دینا ہے۔

بنیادی طور پر اس کا مدعا یہ ہے کہ وسط ایشیا کے اقلیتوں کے اسلامی اور قومی شعور کو ابھرنے سے روکا جائے کیونکہ لینن سے لے کر چیرننکو تک سبھی روسی قوم کی بالادستی کے لئے ایک خطرہ تصور کرتے رہے ہیں اور اسے دبانے کے لئے انہوں نے مذہب کے سبھی حربے استعمال کئے ہیں۔ نسل کشی، ایشیائی افراد کو ترک وطن کرکے دوسرے علاقوں میں بسانے اور سلاوی نسل کے لوگوں کو وسط ایشیا میں آباد کرنے سے لے کر وسط ایشیا کی قبائلی بنیاد پر سیاسی تقسیم، روسی رسم الخط کے نفاذ مختلف نسلی قومیتوں کی تاریخ کو مسخ کر کے روسی اقتدار کو ان کے لئے منفعت بخش ثابت کرنے، مذہبی رسوم پر پابندی عائد کرنے اور قومی یونیورسٹیوں، اکیڈمیوں اور تفریحات کے ذرائع تک سبھی حربوں سے کام لیا گیا ہے۔ اخوت اسلامی کے جذبے کو ختم کرنے کے لئے ازبکستان، تاجک، ترکمان

قزاق اور خرگیز جیسی مصنوعی قومیتوں کی تشکیل کی گئی ہے۔ اوقاف کو ضبط کر دیا گیا ہے۔
۱۹۱۷ء میں موجودہ تقریباً آٹھ ہزار مکاتیب و مدارس کو نیست و نابود کر دیا گیا اور ہزاروں کی تعداد میں مساجد کو شہید کیا جا چکا ہے۔ اور مسلم دانشوروں کی پوری نسل کا صفایا کیا جا چکا ہے۔
روس کی مسلم جمہوریتوں میں تقریباً سبھی اہم عہدوں مثلاً پارٹی کے نائب ناظم۔ پارٹی کے محکمہ انصرام اور تنظیمی امور کے صدر روسی ہوتے ہیں۔ اور جہاں کہیں حکومت کے کسی اعلیٰ عہدہ پر کسی مقامی باشندہ کا تقرر کیا جاتا ہے۔ تو اس کا نائب ہمیشہ روسی رکھا جاتا ہے تاکہ وہ نیابت کے فرائض کے ساتھ ساتھ اپنے افسر اعلیٰ پر بھی نظر رکھ سکے۔ یہ سب کچھ مختلف نسلی۔ مذہبی اور قومی گروہوں کو متحد رکھنے کے نام پر کیا جا رہا ہے۔ حالاں کہ اس کا مقصد یہ ہے کہ اقلیتوں کو روسی زبان و ثقافت قبول کرنے پر مجبور کیا جا سکے۔
لیکن یہ تمام کوششیں کس حد تک کامیاب ہو سکی ہیں ؟ یہ سوال اس صدی کی آخری دہائیوں روسی مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی آبادی کے تناسب اور ان کے معاشی و سیاسی حالات کے پیش نظر بہت اہمیت حاصل کر چکا ہے روسی اور غیر روسی دانشور اس پر بحث کر رہے ہیں کیونکہ وہ اس اس خطرہ کو محسوس کر رہے ہیں کہ مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی تعداد روسیوں کو اقلیت میں تبدیل کر کے ان کے محکوم ایشیائی باشندوں کے زیر دست کر سکتی ہے۔
مذکورہ بالا سوال پر بحث کرنے والوں میں سب سے نمایاں الگزانڈر بننگس ALEXANDER- BENNIGSEN) کا سہ رخی وفاداری کا نظریہ ہے۔ جس کے مطابق سویت مسلمان اپنے قبیلوں۔ قوموں۔ اور بین الاقوامی اسلامی وفاداری کا شعور رکھتے ہیں جس میں آخر الذکر کو اولیت حاصل ہے۔ بننگس کے نظریہ میں روسی حکومت کے تئیں مسلمانوں کی وفاداری کا کوئی حصہ نہیں ہے۔ ایک فرانسیسی دانشور ہیلن کیرڈ انکاوسہ (HELEN CARRERD ENCAYSSE) کا خیال ہے کہ ایشیائی باشندوں میں مختلف قسم کی وفاداریوں کا کوئی وجود نہیں ہے۔ اس کے خیال میں سویت مسلمان، ماسکو کے "نئے سویت انسان" کے مفروضہ سے ناآشنا ہیں اور صرف اسلام کی وفاداری کے جذبہ سے سرشار ہیں۔
مائیکل زند (MICHAEL ZEND) کا نظریہ اس کے برعکس ہے۔ روس سے ترک وطن کرنے والے اس دانشور کا خیال ہے کہ روسی مسلمان " انقلاب سے قبل کی ابتدائی روسی تہذیب" کو بتدریج قبول کرتے جا رہے ہیں اور اس طرح وہ روسی تہذیب میں ضم ہونے کے لئے اپنے آپ کو تیار کر رہے ہیں۔ اس کے نظریہ کے مطابق مسلمانوں کے طبقہ خواص کو روسی تہذیب سے قریب تر لانے کی حکمت عملی کامیاب ہوتی جا رہی ہے۔
ایک اور دانشور مائیکل ریکن (MICHAEL RYWKIN) کا خیال ہے کہ وسط ایشیا کے باشندوں میں روسی زبان کے فروغ اور اس میں ان کی مہارت حاصل کر لینے سے ان کے قومی تشخص کے شعور میں کمزوری پیدا ہونے

کے بجائے اس جذبہ کو ابھرنے اور طاقت ور ہونے میں مدد ملی ہے۔ ان لوگوں میں نیا قومی شعور جو مذہب اور قومیت کے جذبات سے مرکب ہے ابھر رہا ہے۔ اور انہیں اس پر آمادہ کر رہا ہے کہ وہ روس میں اپنا جائز مقام حاصل کریں۔ اس کے علاوہ روسی حکومت کی جانب سے وقتاً فوقتاً شائع ہونے والے کتب و رسائل میں پیش کردہ یہ نظریہ بھی ہے اور جیسے عظیم روسی انسائیکلو پیڈیا میں اس طرح پیش کیا گیا ہے۔ کہ روس میں مذہب کی بنیادیں منہدم ہو چکی ہیں۔ اور دوسرے مذاہب کی طرح اسلام بھی اب صرف ماضی کی باقیات کی شکل میں باقی رہ گیا ہے لیکن اس کے برعکس اٹلی کے ایک رسالہ لااسٹامپا (LAS TAMPA) کی ایک حالیہ رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ سوویت روس ۱۹۸۳ء میں ۷۹ اسلام مخالف کتابیں شائع کی ہیں۔ جب کہ ۱۹۸۱ء اور ۱۹۸۲ء میں ان کی تعداد علی الترتیب صرف ۲۱ اور ۳۸ تھی۔ اس رپورٹ سے اصل حالات کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ بہر حال اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ روسی قومیت کے فروغ کی کوششیں مسلمانوں کے جذبۂ اسلام اور اخوت اسلامی کے شعور کو ختم کرنے میں مانع رہا ہے۔ اب تک قومی یک جہتی کی جو کوششیں روسی حکومت کی جانب سے کی گئی ہیں وہ پارٹی اور حکومت کے عہدہ داروں سے آگے نہیں بڑھ سکیں۔ اس کے برعکس پارٹی اور حکومت میں مسلمانوں کے ساتھ ہونے والے امتیازی سلوک اور انہیں یکساں مواقع کی عدم فراہمی نے انہیں یہ سوچنے پر مجبور کر دیا ہے کہ زار کے زمانہ میں روس کے پرچم پر دو سروں والے عقاب نے اس زمانے میں ہنسیا اور ہتھوڑے کی شکل اختیار کر لی ہے۔ روزانہ کی زندگی میں پیش آنے والے چھوٹے چھوٹے معاملات میں ان کے ساتھ تفریق۔ ان کے قوم و مذہب کی تذلیل ان کی تاریخ و ثقافت کی بے قدری۔ ان کے اسلامی اور قومی جذبہ کو ابھارنے میں مہمیز کا کام دیتی ہے۔ ان کے مذہب اور قومیت نے ایک ایسے مشترکہ شعور یا جذبہ کی شکل اختیار کر لی ہے جس کا بنیادی نقطہ یہ ہے کہ وہ روسیوں سے مختلف ہیں

بالفاظ دیگر ان کے قومی اور اسلامی جذبہ نے یک جان ہو کر روس مخالف جذبہ کی شکل اختیار کر لی ہے وسط ایشیا کے باشندوں میں ایسے لوگ بھی جو مذہب کے کسی رکن کی پابندی نہیں کرتے۔ کم از کم تین باتوں میں اسلامی شعار پر نظر آتے ہیں۔ نکاح۔ ختنہ اور میت کے کفن دفن میں وہ اسلامی احکام کی پابندی کر کے اپنے اسلامی شعور کو تازہ رکھتے ہیں۔

روس میں اسلامی شریعت پر گوناگوں پابندیاں عائد کر دی ہیں۔ تاکہ وہ حکومت کے احکام میں دخل اندازی نہ کر سکے۔ لیکن اس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ سرکاری اسلام کے مقابلہ میں ایک متوازی اسلام ابھر کر سامنے آ رہا ہے۔ جس نے پرائیویٹ مسجدوں کا ایک جال پھیلا دیا ہے۔ قرآن پاک کی تعلیم کے لئے پرائیویٹ مدارس وجود میں آ گئے ہیں۔ اور بڑی تعداد میں صوفی حلقے قائم ہو گئے ہیں۔ جو روز بروز زیادہ فعال ہوتے جا رہے ہیں۔

اس کے آثار بھی موجود ہیں کہ حکومت کا عملہ ان غیر قانونی اسلامی سرگرمیوں یا روسی قانون کی رو سے "مذہب کی بنیاد پر کئے جانے والے جرائم" سے چشم پوشی کرتا ہے۔ اندازہ ہے کہ اس وقت وسط ایشیا اور قزاقستان میں ایک ہزار مسجدیں آباد ہیں۔ جب کہ قانونی طور پر صرف دو سو مسجدوں کے قیام کی اجازت دی گئی ہے

اسی طرح زکوٰۃ کو قانوناً ختم کر دیا ہے۔ لیکن صدقات اور صدقۃ الفطر جمع کیا جاتا ہے۔ اور بعض دیہی علاقوں میں کسان قانونی طور پر عشر جمع کر کے مسلم اداروں کا خرچ برداشت کرتے ہیں۔ روسی ذرائع یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ جیحون اور داغستان کے علاقہ میں ایک صوفی طریقہ کے پانچ لاکھ سے زائد متبعین موجود ہیں " جو کسان یا غریب دستکار نہیں بلکہ ان کی ایک بڑی تعداد صنعتی کارکنوں پر مشتمل ہے۔ اور پچھلے چند برسوں میں مسلمانوں کے تعلیم یافتہ میں بھی اس کی مقبولیت بڑھتی جا رہی ہے "

روس میں مختلف نسلوں کی موجودہ سماجی اور معاشی حالت جدیدیت کی پیدا کردہ مبہم اور الجھے ہوئے اثرات کی نشاندہی کرتی ہے۔ جدیدیت کے ذریعہ سماج کے ایک بڑے حصے میں حرکت اور یک جہتی پیدا ہوتی ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ اگر مختلف طبقات کی معاشی نابرابری دور نہ ہوتی تو شعور بھی ابھرتا ہے کہ سائنس اور ٹیکنالوجی سے حاصل شدہ فوائد سب کو یکساں طور پر نہیں مل رہے۔ سویت روس کی ترقیاتی کوششوں کا بھی یہی نتیجہ برآمد ہوا ہے اس کے مسلم شہریوں کی معاشی نابرابری میں اضافہ ہوا ہے۔ جس نے روس اور اشتراکیت دشمنی کے جذبہ کو فروغ دیا ہے۔ اور حالیہ چند برسوں میں انہوں نے اس نابرابری کو دور کرنے کے لئے کھل کر کوششیں کرنا شروع کر دی ہیں وہ اپنی جمہوریتوں و نیز مرکز میں اپنے جائز مقام کو حاصل کرنے کی جدوجہد کا آغاز کر چکے ہیں

آذربائیجانی کامریڈ گیدار علیو (GAYDAR ALIEV) نے روس کے وزیر داخلہ کی حیثیت سے روسی مملکت کی طاقتور پولیس اور کے۔ بی۔ جی (خفیہ پولیس) پر اقتدار حاصل کر کے روسیوں کے لئے ایک تشویشناک مثال قائم کر دی ہے۔ کریمیا کے تاتاری باشندے اگرچہ اپنے اس مطالبہ کو نہیں منوا سکے کہ انہیں ان کے وطن میں دوبارہ آباد کیا جائے۔

لیکن پیٹر پچٹنی (PETER POTICHNYJ) کے بقول انہوں نے اپنی "ہمت، عزم اور تنظیم" کا مظاہرہ کر کے بہت سی اہم تعلیمی اور ثقافتی مراعات حاصل کر لی ہیں۔ اسی قسم کی بیداری وسط ایشیا کی دوسری قومیتوں میں بھی پیدا ہو رہی ہے۔ اور وہ اس نتیجے پر پہنچ رہے ہیں کہ حکومت کے استبداد کا مقابلہ کرنے کے لئے سویت سماج کی پیدا کردہ سیاسی تنظیم سے ہی بہتر طور پر کام لیا جا سکتا ہے چنانچہ وہ اپنی قومی اور اسلامی شخصیت کو برقرار رکھنے کے لئے ان تنظیموں سے کام لے رہے ہیں۔

اس میں شبہ نہیں ہے کہ سویت روس کے مسلمان معاشی ترقیات سے بہرہ ور ہوئے ہیں لیکن انہوں نے

روسی قومیت میں جذب ہونے کے خلاف ایک ذہنی رکاوٹ (MENTAL RESERVATION) باقی رکھی ہے جس حد تک انہوں نے روسی ثقافت مثلاً اشتراکیت کے سیاسی پہلو، مغربی لباس اور روسی زبان کو قبول کیا ہے اس سے وہ روسی ثقافت میں ضم ہونے کی منزل تک نہیں پہنچے۔ انہوں نے نہ تو روسیوں سے مناکحت خصوصاً مسلمان عورتوں کی روسیوں سے شادی کو قبول کیا ہے نہ اپنی قومی زبان کا استعمال چھوڑا ہے اور نہ وہ روس کے ایسے علاقوں میں جہاں صنعتی مزدوروں کی کمی ہے، بخوشی جانا پسند کرتے ہیں۔ ابھی تک ان میں قومی اور مذہبی تشخص کا شعور موجود ہے جس کی وجہ سے یہ تقریباً ناممکن ہے۔ کہ کوئی شخص خواہ وہ مذہب پر عمل پیرا ہو یا نہ ہو اپنے آپ کو ازبک یا تزک سمجھے اور مسلمان نہ تصور کرے۔ اسی طرح "روسی بڑے بھائی" کی فوقیت تسلیم کرنے کے باوجود ان میں اور روسیوں کے درمیان حائل خلیج کو نہ صرف دونوں فریق محسوس کرتے ہیں بلکہ اس سے پیدا ہونے والی بدگمانی اور ایک دوسرے پر بے اعتباری کے بھی قائل نظر آتے ہیں جو مکمل یک جہتی کے فقدان کا لازمی نتیجہ ہے۔ دونوں فریق مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی آبادی کے تناسب اور اس کے نتائج سے بھی واقف ہیں جس کے متعلق بالشویک تحریک کے ایک بڑے حامی میر سعید سلطان غالب نے بہت پہلے یہ پیشین گوئی کی تھی کہ دوسری اقوام پر روسیوں کا تسلط ایک ایسی مطلق العنان حکومت میں تبدیل ہو جائے گا جس میں یہ محکوم عوام روسیوں کے حاکم بن جائیں گے۔

غالباً یہی وجہ ہے کہ روس اپنے بہترین ذرائع ابلاغ کے ذریعہ دنیا میں اپنی وسیع النظری اور جمہوریت پسندی کا ڈھنڈورا پیٹنے کے باوجود ابھی تک استبدادی نظم و نسق، نفسیاتی جیل اور جبری محنت کی چھاؤنیوں سے چھٹکارا نہیں حاصل کر سکا۔ وہ آج بھی ہر تنقید کا مخالف اور لوگوں کو ان کے جمہوری حقوق دینے سے انکار کرتا ہے۔ اور یہ سمجھتا ہے کہ خوف و ہراس کی فضا ہی اس کے تحفظ کی سب سے بڑی ضمانت ہے۔ آج بھی اسے عوام کی آزادی، یکساں حقوق اور سب کی مرضی سے مسائل کو حل کرنے کی کوشش کے مقابلے میں سخت گیری اور استبداد کی پالیسی زیادہ مفید نظر آتی ہے۔ لیکن یہ اس کی سب سے بڑی کمزوری کی غماز بھی ہے کیونکہ کوئی سماجی نظام یا نظریۂ حیات جبر کے سہارے ہمیشہ قائم نہیں رکھا جا سکتا۔

افغانستان میں روس کی حماقت آمیز، حالیہ مہم جوئی نے اس کے غیر مفتوح ہونے کا بھرم بھی ختم کر دیا ہے وہ پچھلے چار برسوں سے دلدل میں پھنسا ہوا ہے۔ اور ایک انتہائی غیر منظم، غیر مسلح اور غیر متحد دشمن کو زیر کرنے میں بے بس نظر آرہا ہے۔ اس کے فوجی اب بھی نقصان اٹھا رہے ہیں۔ بڑے شہروں اور شاہراہوں کو چھوڑ کر ایک گز زمین پر اس کا قبضہ مستحکم نہیں ہو سکا۔

قرائن یہ کہتے ہیں کہ یہ حالت ابھی کئی برسوں تک جوں کی توں ہی رہے گی۔ گفت و شنید کے ذریعہ اس مسئلہ کا

حل ڈھونڈنے سے روس کا اعراض یہ ثابت کرتا ہے کہ اگر اسے افغانستان میں مکمل فتح حاصل نہ ہو سکی تو اسے اپنی سرحدوں کے اسلامیت کے بڑھتے ہوئے جذبہ کا مقابلہ کرنا پڑے گا۔ یہ بھی روس کی قومیت سے متعلق حکمت عملی کی ناکامی کی جانب اشارہ کرتا ہے۔ جو روز بروز شدید تر ہوتی جا رہی ہے۔

سوویت روس کا وہ نصب العین جو ساری دنیا کا احاطہ کرنے کا دعویدار تھا اب خود اس کے شہریوں میں اپنی جاذبیت کھوتا جا رہا ہے۔ تیسری دنیا یعنی غیر جانب دار طاقتوں کی قیادت کا روسی خواب اب بکھر چکا ہے اور اب تک اس کی کوششوں کا صرف یہ نتیجہ برآمد ہوا ہے کہ وہ زبردستی دوسرے ملکوں میں بغاوت پیدا کرتا ہے۔ اور اکثر آزادی پسند عوام کو کچلنے کے لئے ہتھیار مہیا کرتا رہتا ہے۔ لیکن اب اس قسم کی کوششوں میں روز افزوں ناکامی نے بین الاقوامی معاملات میں اس دورنگی پالیسی کو واضح کر دیا ہے۔

یہ امر باعث مسرت ہے کہ اب بہت سے مصنف اور دانشور روس کے اشتراکی انقلابی کامیابیوں اور ناکامیوں کا جائزہ لینے لگے ہیں۔ پروفیسر تیواری نے اپنی اس تصنیف میں سوویت روس کی حکومت اور مسلمان شہریوں کے مابین تعلقات کا ایک دلچسپ جائزہ پیش کیا ہے۔ وہ اشتراکی تجربہ کا پچھلے پچاس سال سے عمیق مطالعہ کرتے رہے ہیں۔ پہلے ایک کٹر اشتراکی کی حیثیت سے۔ اور پھر ہندوستان میں بالشویک مخالف انجمن کے ناظم کی حیثیت سے ان کا جائزہ اس وقت سے شروع ہوتا ہے جب وسطِ ایشیا کے یہ علاقے زار اور ان کے بعد سوویت روس کے قبضہ میں نہیں آئے تھے۔ انہوں نے زاروں کے زمانے میں اور پھر سوویت روس کی حکومت کے تحت مسلمانوں کی قومی زندگی کی عکاسی میں حتی الامکان روس کے سرکاری ذرائع اور علمی مضامین پر ہی انحصار کیا ہے اور صرف چند مقامات پر روسی مہاجرین کی تحریروں کا حوالہ دیا ہے۔ انہوں نے اس کتاب میں بتایا ہے کہ روسی شہنشاہوں نے کس طرح مسلمانوں کے ان علاقوں کو فتح کیا اور ان کی حکومت کے زمانے میں مسلمانوں کے سیاسی، ثقافتی اور اقتصادی حالات کیا تھے۔

مسلمانوں نے اشتراکی انقلاب کے بعد کس طرح روسی حکومت کا جوا اتار پھینکنے کی کوشش کی۔ اور کس طرح اشتراکی ان پر قابض رہنے میں کامیاب ہوئے۔ وسط ایشیا پر سوویت روس کا دوبارہ قابض ہونے کی اس داستان کے ذریعہ پروفیسر تیواری نے یہ بتایا ہے کہ جدیدیت کے حامی مسلمان اپنے غلط اندازوں کے باعث کس طرح ترقی اور اصلاح کے نام پر دھوکا کھا کر روسی جارحیت کا آلۂ کار بن گئے۔ انہوں نے روس کی سیاسی سماجی اور اقتصادی تنظیموں اور کمیونسٹ پارٹی کے نظم ونسق کا بھرپور جائزہ پیش کیا ہے جس سے یہ ظاہر ہو جاتا ہے کہ روس نے وسط ایشیا کی ان قومیتوں کو دبائے رکھنے اور روسی ثقافت کو ان پر ٹھونسنے کے لئے کیا حربے استعمال کئے حکومت اور کمیونسٹ پارٹی کی تنظیم کے جائزہ سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ سوویت روس کے مسلمانوں کو جان

(بقیہ صـ۴۹)

برائے اشاعت الحق

مولانا محمد شہاب الدین ندوی
ناظم فرقانیہ اکیڈمی۔ بنگلور ۵۷ (انڈیا)

عورت کی معاشی وتمدّنی سرگرمیاں

اسلام کی نظر میں

(نوٹ:۔ یہ مقالہ دھلی کے ایک سیمنار میں "عورت اور اسلام" کے موضوع پر پیش کیا گیا تھا)

موجودہ دور میں تمدن جدید نے جو مسائل پیدا کر دئے ہیں ان میں سے ایک نہایت اہم مسئلہ جدید معاشرے میں عورت کی حیثیت اور اس کے مقام و مرتبے کے تعین کا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ عورت پر دورِ قدیم میں بہت زیادہ ظلم ہوا ہے۔ اور اس کے حقوق نہایت بے دردی سے پامال کئے گئے ہیں۔ مگر اس کے برعکس دورِ جدید میں اس کو نہایت فراخ دلی کے ساتھ "حقوق" کے نام پر اتنے مراعات دئے جا رہے ہیں کہ اس کے فرائض و واجبات کا خانہ ہی خالی ہوتا جا رہا ہے۔ اس طرح دونوں صورتوں میں افراط و تفریط نظر آتی ہے۔ لہذا عورت کے ساتھ انصاف یہ نہیں ہے۔ کہ اس کو اس کے اصل دائرہ کار سے ہٹا کر اس کے فرائض منصبی کی ادائیگی سے غافل کر دیا جائے۔ اس کا نتیجہ تمدنِ انسانی کی بربادی کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ عورت اور مرد دونوں تمدنی انسانی کی گاڑی کے دو پہیئے ہیں اگر ان میں سے کوئی ایک پہیہ بھی خراب ہو جائے تو گاڑی آگے نہیں بڑھ سکے گی۔

اس سلسلے میں بنیادی مسئلہ جس کی طرف سے اکثر لوگ اپنی آنکھیں بند کر لیتے ہیں۔ یہ ہے کہ کیا عورت اور مرد جسمانی، ذہنی اور نفسیاتی حیثیت سے برابر برابر ہیں؟ ظاہر ہے کہ حقیقت ایسی نہیں ہے۔ اور اثبات کا کوئی بھی مدعی نہیں ہے۔ بلکہ ماہرین حیاتیات کی تحقیق کے مطابق عورت جسمانی اعتبار سے بہ نسبت مرد کے بہت کمزور ہے۔ اور عورت کی یہ کمزوری اس لئے نہیں ہے کہ وہ مرد کی مطیع اور اس کی دستِ نگر بنی رہے بلکہ اس کا وظیفۂ طبعی اس سے زائد قوت کا متحمل ہی نہیں ہو سکتا جو فطرت نے اس کے سپرد کیا ہے۔ لہذا عورت مرد کی ہم پلہ بننے کی ہزار کوشش کرے وہ اس مرتبے تک ہرگز نہیں پہنچ سکتی۔ تفصیل کے لئے دیکھئے علامہ فرید وجدی کی معرکۃ الآرا کتاب " المراۃ المسلمہ" جس کا ترجمہ مولانا ابوالکلام آزاد نے "مسلمان عورت" کے نام سے کیا ہے۔

علامہ موصوف نے اپنی اس وقیع کتاب میں نہایت فاضلانہ طور پر ان تمام دلائل کا جائزہ لیا ہے۔ جن کو آزادیٔ نسواں کے علمبردار پیش کرتے ہیں۔ اور خود علماء یورپ کی تحقیقات اور ان کے اقوال کی روشنی میں اس بے بنیاد نظریہ کا مدلل طور پر رد کیا ہے کہ عورت ہر حیثیت سے مرد کی مساوی ہے اور اس کو ہر قسم کی معاشرتی، معاشی اور تمدنی آزادی حاصل ہونی چاہئے۔ نیز انہوں نے ان نظریات و تحریکات کے فروغ کے باعث یورپ کے مختلف ممالک میں اس کے جو لازمی اور خوفناک نتائج رونما ہوئے۔ ان سب کا بھی جائزہ لیتے ہوئے مستند اور ناقابل تردید حقائق پیش کئے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ آج عورت کی مکمل آزادی اور بے مہاری کے باعث مغربی ممالک میں حد درجہ افسوسناک معاشرتی، اخلاقی اور تمدنی خرابیاں پیدا ہوگئی ہیں ان سے خود دانشوران یورپ تک پریشان ہیں اور علاج کسی کی بھی سمجھ میں نہیں آرہا۔ بلکہ یہ ایک لاعلاج مرض اور تہذیب جدید کا ناسور بن چکا ہے۔ یہ تہذیب جدید کی وہ آگ ہے جو اب مشرقی ممالک کو بھی جھلسانے لگی ہے۔

اسلام کا موقف جہاں تک اسلام کا تعلق ہے اس نے عورت اور مرد کی فطرت اور ان کی ساخت و پرداخت کا لحاظ رکھتے ہوئے دونوں کو نہایت درجہ متوازن اور جامع حقوق عطا کئے ہیں۔ اور دونوں کے فرائض و واجبات کا بھی پوری انصاف پسندی کے ساتھ تعین کیا ہے۔ خصوصاً عورت چونکہ زمانۂ قدیم سے ایک مظلوم اور ستم رسیدہ ہستی چلی آرہی تھی۔ اس لئے اسلام نے عورت کے حقوق کا تعین اس کی فطرت کے تقاضے کے مطابق منصفانہ طور پر کیا ہے۔ اسلامی قوانین میں قدیم قوموں کے تمدنی قوانین کی طرح نہ افراط ہے اور نہ تہذیب جدید کے قوانین کی طرح تفریط۔ جو عورت کو سبز باغ دکھا کر اس کو گھر سے بے گھر کرنا اور اس کو در بدر کی ٹھوکریں کھانے پر مجبور کرنا چاہتی ہے: تاکہ وہ مرد کے ہاتھوں میں ایک کھلونا بن کر اس کے اشاروں پر ناچے۔

بہر حال اسلام میں عورت اور مرد دونوں انسان ہونے کی حیثیت سے مساوی مقام و مرتبہ رکھتے ہیں۔ اور جہاں تک ان کے فرائض و واجبات کی ادائیگی کا تعلق ہے دونوں کا دائرۂ کار الگ الگ ہے۔ اسلام نے کنبے اور خاندان کا بوجھ یعنی معاشی ذمہ داریاں فطرت کے فیصلے کے مطابق مرد کے سپرد کی ہیں اور گھریلو انتظام و انصرام کا بار بوجھ اس کی جسمانی ساخت کے مطابق عورت کے ذمہ کیا ہے۔ ان دونوں کے ذہنی جسمانی اور نفسیاتی حقائق کے اعتبار سے یہ ایک صحیح اور فطری دائرۂ کار ہے اور اس میں کسی ایک کی بھی توہین و اہانت کا کوئی بھی پہلو نہیں ہے۔ کیونکہ نہ تو خود مرد ہی اپنی جگہ پر "مکمل" ہے اور نہ ہی عورت اپنی جگہ پر "کامل ہستی" ہو سکتی ہے۔ بلکہ ان دونوں کے ملاپ ہی سے ایک "کامل شخصیت" وجود میں آتی ہے۔

علامہ فرید وجدی لکھتے ہیں :-

"عورت کو وہ قوتیں عطا کی گئی ہیں جو اس کے قدرتی فرض کی انجام دہی میں مددیں۔ اور مرد کو جسمانی و عقلی قویٰ کی وہ طاقت بخشی گئی ہے جو اس کے تمدنی فرائض کی بجا آوری کا ذریعہ ہوں۔ پس اس حیثیت سے دونوں جنسوں کا درجہ "مساوی" ہے۔ اور دونوں نظام کائنات میں برابر کا حصہ رکھتے ہیں۔" (مسلمان عورت ص ۶۸)

مرد عورت کا کفیل ہے | اس فطری تقسیم عمل کے مطابق اسلام نے معاشی جدوجہد اور اہل وعیال کی ذمہ داریوں کا بوجھ مرد پر ڈالا ہے اور اسی اعتبار سے مرد ہی کو گھر اور خاندان کا منتظم اور ناظم اعلیٰ قرار دیا ہے۔

الرجال قوامون علی النساء بما فضل اللہ بعضھم علیٰ بعضٍ و بما انفقوا من اموالھم فالصالحات قانتات۔

ترجمہ۔ مرد عورتوں پر حاکم ہیں کیونکہ اللہ نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت بخشی ہے۔ اور اس وجہ سے بھی کہ مرد اپنا مال (عورتوں پر) خرچ کرتے ہیں۔ لہذا (مردوں کی اس فطری برتری کا تقاضا ہے کہ) عورتیں صالح اور فرماں بردار رہیں۔ (سورہ نساء ۳۴)

اور حدیث شریف کی تصریح کے مطابق عورت کا نفقہ ہر حال میں مرد پر فرض قرار دیا گیا ہے۔ حتیٰ کہ عورت اپنا نفقہ نہ ملنے کی صورت میں مرد سے طلاق تک کا مطالبہ کر سکتی ہے

تقول المرأۃ اما ان تطعمنی و اما ان تطلقنی۔

ترجمہ۔ عورت کہتی ہے کہ یا تو تم مجھے کھانا دو یا (سیدھی طرح) طلاق دیدو۔ (بخاری۔ کتاب النفقات)

بعض دیگر احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ شوہر جب بیوی بچوں پر حسب ضرورت خرچ نہ کرتا ہو۔ یا بخل سے کام لیتا ہو یا وہ غائب ہو تو بیوی کو اختیار ہے کہ وہ شوہر کے مال میں سے اس کی اجازت کے بغیر حسب ضرورت اپنا خرچ لے سکتی ہے بلکہ اس کو اس فعل پر نصف اجر و ثواب بھی ملے گا۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو سفیان کی بیوی ہندہ بنت عتبہ کی شکایت پر اجازت دیتے ہوئے فرمایا:۔

خذی ما یکفیك وولدك بالمعروف

ترجمہ:۔ اپنے شوہر کے مال سے معروف طور پر اتنا لے لو جو تمہارے اور تمہارے بچوں کے لئے کافی ہو جائے (بخاری۔ کتاب النفقات)

نیز ایک دوسری حدیث میں ہے۔

اذا انفقت المرأۃ من کسب زوجھا غیر امرہ فلہ نصف اجرہ!

ترجمہ۔ جب عورت اپنے شوہر کے مال میں سے اس کی اجازت کے بغیر خرچ کرتی ہے تو اس کو نصف اجر

ملے گا۔ (بخاری کتاب النفقات)

اور حجۃ الوداع کے موقعہ پر آپؐ نے جو تاریخی خطبہ ارشاد فرمایا جس میں اسلامی تمدن و معاشرت کے نہایت اہم اصول بیان کئے گئے ہیں اس میں بھی آپ نے نہایت صراحت کے ساتھ فرمایا۔

الا وحقھن علیکم ان تحسنوا الیھن فی کسوتھنّ وطعامھنّ

ہاں دیکھو ان عورتوں کا تم پر حق یہ ہے کہ تم ان سے ان کے کھانے کپڑے میں اچھا برتاؤ کرو (ترمذی)

ان تصریحات سے معلوم ہوا کہ اسلامی شریعت کی رو سے معاشی جدوجہد کی ذمہ داری اصلاً مرد پر ڈالی گئی ہے اور وہی اپنے بال بچوں کا کفیل ہے۔ اور جدید عائلی قوانین میں بھی عورت کا نفقہ مرد ہی کے ذمے واجب قرار دیا گیا ہے حتیٰ کہ موجودہ سیکولر عدالتوں کے ذریعہ بھی مطلقہ عورت تا سکو، جب تک کہ وہ دوسری شادی نہ کرلے مرد ہی سے نان نفقہ دلایا جاتا ہے۔

عورت مجبوری کی صورت میں کیا کرے؟ مگر اس کے باوجود عورت کو بیوہ ہونے کی صورت میں یا شوہر کی تنگ دستی کی وجہ سے یا کسی اور مجبوری کی بنا پر تلاش معاش کی ضرورت پڑ سکتی ہے جب کہ اس کا کوئی دوسرا کفیل یا سہارا نہ ہو یا کوئی اسلامی ملک یا معاشرہ اس کی کفالت کرنے والا موجود نہ ہو۔ ایسی صورت میں اس کو اجازت ہوگی۔ کہ وہ حالات کا اندازہ کرکے اپنے لئے کوئی ذریعہ معاش اختیار کرے یہی وجہ ہے کہ اسلام کی حکیمانہ شریعت میں اس باب میں کسی قسم کی ممانعت نہیں آئی ہے۔ بلکہ صحابہ کرامؓ کے بعض واقعات کی روشنی میں ہمیں اس باب میں کافی رہنمائی ملتی ہے۔ جیسا کہ تفصیل آگے آئے گی۔ مگر یہ بات ہر فرد اور خاندان کے اپنے مخصوص حالات کی بنا پر ہوگی۔ یہ نہیں کہ اس شخصی و انفرادی ضرورت کو پوری طرح قوم پر اجتماعی حیثیت سے مسلط کر دیا جائے۔

بہرحال اس صورت میں عورت پر دو قسم کی پابندیاں ہر حال میں ضروری ہوں گی۔ ایک یہ کہ وہ اپنے اصل دائرۂ کار میں رہتے ہوئے شوہر اور بچوں کے حقوق پوری طرح ادا کرتی ہو۔ اور۔ دوسرے یہ کہ وہ اسلامی ضابطہ اخلاق کے مطابق تمام تہذیبی و تمدنی پابندیوں کو اپنے اوپر عائد کرنے والی ہو تا کہ اسلام نے جو خاندانی اور عائلی نظام بنایا ہے اس میں کسی قسم کا رخنہ پیدا نہ ہو اور اسلامی معاشرہ کی تعمیر صالح بنیادوں پر ہو سکے۔

مگر عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ وہ عورتیں جو آج کل معاشی میدان میں کود کر مردوں کے ساتھ مسابقت کر رہی ہیں وہ ان تمام ضوابط سے آزاد نظر آتی ہیں۔ اور گھریلو ذمہ داریوں سے بھی اکثر و بیشتر گریز و فرار اختیار کر رہی ہیں۔ جس کی وجہ سے طرح طرح کے معاشرتی و تمدنی مفاسد پیدا ہو رہے ہیں۔ اور تمدن جدید کی یہ عجیب حکمت عملی نظر آتی ہے۔ کہ مردوں کو بیکار رکھتے ہوئے عورتوں کو نوکری کی ترغیب دی جائے اور انہیں گھر سے

بے گھر کیا جائے۔ عورتوں کی نوکری یا کسبِ معاش کا مسئلہ تمدنِ جدید کا پیدا کردہ ایک مصنوعی مسئلہ ہے۔ جس کے پیچھے کوئی ٹھوس حقیقت وضرورت دکھائی نہیں دیتی بلکہ عورت کے لئے یہ ایک غیر وضعی چیز نظر آتی ہے۔ جس کے چکر میں پڑ کر عورت عورت نہیں رہتی۔

عورت اور مرد کے حدود | بہرحال اس موضوع پر کچھ عرض کرنے سے پہلے یہ دیکھنا نہایت ضروری ہے کہ اسلام نے عورت کو کیا حقوق عطا کئے ہیں اور اس پر کیا کیا فرائض اور پابندیاں عائد کی ہیں۔ کیونکہ یہ مسئلہ سرسری طور پر طے نہیں کیا جا سکتا بلکہ اس کے تمام پہلوؤں پر نظر ڈالنے کے بعد ہی کسی نتیجے تک پہنچا جا سکتا ہے۔

اسلام چونکہ ایک حقیقت پسندانہ مذہب ہے۔ جس کے تمام قوانین نظامِ فطرت کے تقاضوں کے عین مطابق ہیں۔ اس لئے اس نے عورت اور مرد کے اجتماع کے تعلق سے چند حدود قائم کئے ہیں اور چند معاشرتی پابندیاں عائد کی ہیں: تاکہ سوسائٹی میں کسی قسم کی بے اعتدالی یا مفسدہ پیدا نہ ہو۔ اور ہر قسم کے شر وفساد کا سدِّباب ہو سکے۔ اس سلسلے میں سب سے بڑی اور بنیادی پابندی جو اس نے عائد کی ہے وہ یہ ہے کہ معاشرے میں مرد اور عورت کا آزادانہ میل جول رہنے نہ پائے۔ جو تمام فتنوں کی جڑ اور اُمّ الفساد ہے۔ لہٰذا وہ عورت کو پردے اور حجاب میں رہنے کا حکم دیتا ہے۔ اور ہر قسم کے غیر محرم اور اجنبی مردوں سے میل ملاپ قائم کرنے کی سختی کے ساتھ ممانعت کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ عورت کو آزادانہ کسبِ معاش سے روکتا ہے اور یہ ذمہ داری مرد کے اوپر ڈالتا ہے۔ کیونکہ عورت حجاب میں رہتے ہوئے اور دیگر اخلاقی ومعاشرتی حدود وضوابط کو برقرار رکھتے ہوئے اس فریضے کو صحیح طور پر انجام نہیں دے سکے گی۔ اور پھر دوسری حیثیت سے عورت معاشی ذمہ داریوں کے چکر میں پھنس کر اپنے اصل فرائض سے غافل ہو جائے گی۔ جس کا نتیجہ سوائے خاندان اور تمدن کی بربادی کے اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ جیسا کہ ماہرینِ تمدن واجتماع کی رائے ہے۔ اس حیثیت سے دیکھا جائے تو پردہ عورت کے لئے کوئی ذلت کی بات یا اس کے قیدی ہونے کی علامت نہیں۔ بلکہ اس کے حفظِ ناموس کے لئے ایک ڈھال کی حیثیت رکھتا ہے۔ ماہرینِ اخلاق کی رائے ہے کہ برائیوں کی روک تھام کے لئے سب سے پہلے ان ذرائع وسائل کی روک تھام ضروری ہے۔ جو ان برائیوں تک لے جانے والے ہوں۔

عورت کے حقوق | اس تفصیل وتوضاحت کے بعد آئیے دیکھیں کہ اسلام نے عورت کو کیا حقوق عطا کئے ہیں۔ اور اس پر کون سی اخلاقی وتمدنی پابندیاں عائد کی ہیں جن کی بنا پر وہ معاشرے میں معزز رہتے ہوئے اپنی عزت وناموس کی حفاظت کر سکتی ہو۔ اور نوخیز نسلوں کی بہتر سے بہتر تربیت کرتے ہوئے ایک صالح معاشرے کو پروان چڑھا سکتی ہو۔ یہ جائزہ اس کے لئے بھی ضروری ہے۔ کیونکہ اس کے بغیر اسلام میں عورت کی صحیح حیثیت اور اس کے دائرۂ کار کا تعین کرنا دشوار ہے۔

عورت چونکہ تمدنِ انسانی کا مرکز، محور اور باغ انسانیت کی زینت ہے اس لئے اسلام نے اس کو باوقار طریقے سے وہ تمام حقوق عطا کئے جس کی وہ مستحق تھی۔ چنانچہ اس کو اپنے گھر کی ملکہ قرار دیا۔ دیگر بہت سی قوموں کے برعکس اپنا ذاتی مال و ملکیت رکھنے کا حق عطا کیا۔ شوہر سے ناچاقی کی صورت میں خلع کا حق دیا۔ نکاح ثانی کی اجازت دی۔ وراثت میں اسے حصہ دلایا۔ اور اسے بعض قوموں کی طرح نجس و ناپاک نہیں بلکہ معاشرے کی قابلِ احترام ہستی قرار دیا۔ غرض اس نے "ولھن مثل الذی علیھن بالمعروف" کہہ کر اس کے وہ تمام حقوق بحال کر دئے جو اقوام عالم نے معطل کر دئے تھے۔ یعنی دستور کے مطابق عورتوں پر جس طرح کی ذمہ داریاں ہیں اسی طرح ان کے حقوق بھی ہیں۔ یہ نہیں کہ ان کے ذمے محض فرائض ہی فرائض ہوں۔ اور ان کا کوئی بنیادی حق ہی نہ ہو۔

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ "ہم زمانۂ جاہلیت میں عورتوں کو کوئی چیز نہیں سمجھتے تھے۔ یعنی معاشرے میں ان کی کوئی حیثیت ہی نہیں تھی۔ مگر جب اسلام آیا اور اللہ تعالیٰ نے عورتوں کا (خصوصی اہمیت کے ساتھ) تذکرہ کیا تب کہیں جا کر ہمیں احساس ہوا کہ ہم پر عورتوں کا بھی کوئی حق ہو سکتا ہے۔ (ملاحظہ ہو بخاری کتاب اللباس باب[۳۱])

محسنِ انسانیت حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پست طبقے کے ساتھ حسنِ سلوک کرنے پر یہاں تک ابھارا کہ اس کو ایمان جیسی اعلیٰ ترین شے کا ضروری جزو قرار دے دیا۔

اکمل المومنین ایمانًا احسنھم خُلقًا وخیارکم خیارکم لنساءِھم۔

ایمان کے اعتبار سے کامل ترین وہ شخص ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہوں اور تم میں سب سے بہتر لوگ وہ ہیں جو اپنی عورتوں کے ساتھ بہتر سلوک کرنے والے ہوں۔ (ترمذی)

اسلام کی نظر میں عورت نجس و ناپاک یا پیروں تلے روندی جانے والی ہستی نہیں بلکہ دنیا کی سب سے زیادہ قیمتی اور گراں مایہ شے ہے۔

الدنیا کلّھا متاعٌ، وخیر متاع الدنیا المراۃ الصالحۃ

دنیا کل کی کل ایک اثاثہ ہے اور اس کا بہترین اثاثہ نیک سیرت بیوی ہے۔ (بخاری کتاب الادب باب ۸۶)

اسلام نے عورت کا مرتبہ یہاں تک بڑھایا کہ اپنی بیوی کے حقوق ادا کرنا خدا کے حقوق ادا کرنے کے برابر قرار دے دیا۔

ان لربك علیك حقًا، ولنفسك علیك حقًا، ولاھلك علیك حقًا، فاعطِ کل ذی حقٍ حقّہٗ۔ یقیناً تجھ پر تیرے رب کا بھی حق ہے تیرے نفس کا بھی حق ہے اور تیری بیوی کا بھی حق ہے لہذا تو ہر ایک کا حق (پوری طرح) ادا کر (بخاری کتاب الادب۔ باب ۸۶)

اسلام کی نظر میں اہل وعیال پر خرچ کرنا بھی عبادت اور جہاد کے برابر ہے حتیٰ کہ بیوی کے منہ میں لقمہ دینے کا بھی اجر وثواب دیا جائے گا۔

انك لن تُنفِق نفقَةً تبتغي بها وجه الله الا اجرت عليها في ما تجعل في فم امرأتك

تم اللہ کی رضا مندی حاصل کرنے کی خاطر جو بھی خرچ کرو گے اس کا اجر وثواب دیا جائے گا۔ یہاں تک کہ جو لقمہ تم اپنی بیوی کے منہ میں ڈالو گے اس کا بھی۔ (بخاری۔ کتاب الایمان باب ۴۱)

دنیا کی بعض قومیں عورت کو حائضہ ہونے کی صورت میں منحوس تصور کرتے ہوئے گھر سے باہر کر دیتی تھیں اسلام نے اس ظالمانہ اور جاہلانہ طریقے کی نفی کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ اہل خانہ کے ساتھ رہ سکتی ہے اور سوائے مباشرت کے بقیہ تمام امور بیت انجام دے سکتی ہے۔

کا اصنعوا کل شیئ غیر النکاح (ابو داؤد۔ کتاب الطہارۃ)

اسلام میں کسی بالغ لڑکی کا نکاح اس کی مرضی کے بغیر نہیں کیا جا سکتا۔ حتیٰ کہ باپ تک کو اپنی بالغ لڑکی کا نکاح زبردستی کسی کے ساتھ کر دینے کا اختیار نہیں ہے۔

اذا زوج ابنتہ وھی کارھۃ فنکاحہ مردودٌ (ابو داؤد۔ کتاب النکاح)

عورت کے فرائض | یہ عورت کے حقوق پر ایک اجمالی نظر ہے۔ اب عورت کے چند فرائض بھی ملاحظہ فرمائیے جو اسی طرح حقیقت پسندانہ ہے جس طرح کہ اس کے حقوق۔ اور اس کے حقوق و فرائض میں ہمیں کامل درجے کا توازن نظر آتا ہے۔ جس کی بنیاد پر ایک مضبوط خاندانی نظام تکمیل پاتا ہے۔ اور نوعِ انسانی کے ان آشیانوں سے حقیقی مسرتوں کے سرچشمے پھوٹتے ہیں۔ جو تمام ابدی سعادتوں کا منبع ہیں۔ اور نتیجے کے طور پر پورا معاشرہ امن و سکون کا سانس لیتا ہے۔ اور ملک و قوم کے بازو مضبوط و مستحکم ہوتے ہیں۔

اس سلسلے میں سب سے پہلی حقیقت اور سب سے پہلا فریضہ یہ ہے کہ عورت اگرچہ اپنی بنیادی ضروریات کی ادائیگی کے لئے گھر سے باہر نکل سکتی ہے۔ مگر اس کا اصلی دائرہ کار اس کے شوہر کا گھر ہے جس کی نگرانی اور دیکھ بھال کی وہ ذمہ دار قرار دی گئی ہے۔

کلکم راع و کلکم مسئول عن رعیتہ والرجل فی اھلہ و ھو مسئول عن رعیتہ۔ والمراۃ راعیۃ فی بیت زوجھا و مسئولۃ عن رعیتھا۔

تم میں سے ہر شخص ذمہ دار ہے اور ہر شخص سے اس کی ذمہ داری کے متعلق باز پرس کی جائے گی۔ چنانچہ مرد اپنے اہل وعیال کے بارے میں ذمہ دار ہے۔ اور اس سے اس کی ذمہ داری سے متعلق پوچھا جائے گا۔ اسی طرح عورت بھی اپنے شوہر کے گھر کی ذمہ دار ہے۔ اور اس سے اس کی ذمہ داری کے متعلق باز پرس کی جائے گی۔ بخاری کتاب الجمعہ باب ۱۱

اوپر گزر چکا ہے کہ مرد عورت کے اخراجات کا کفیل اور ذمہ دار ہے لہذا قدرتی طور پر عورت کو اس کے عوض میں شوہر کے گھر کی نگران اور ذمہ دار قرار دیا گیا ہے۔ مگر عورت کی یہ تابعداری اس کے قیدی یا اسیر ہونے کی علامت نہیں بلکہ دراصل وہ گھر کی ملکہ ہے اور موجودہ دور کے فتنوں کو دیکھتے ہوئے اسی میں اس کی عافیت نظر آتی ہے۔

۲۔ جس طرح مرد سے کہا گیا ہے کہ اپنی بیوی کے حقوق ادا کرنا خدا کے حقوق کی ادائیگی کے برابر ہیں اسی طرح عورت سے بھی کہا گیا کہ شوہر کے حقوق کی ادائیگی خدا کے حقوق ہی کی طرح بلکہ اس سے بھی مقدم ہے۔

لا تؤدّی المرأۃ حق ربھا حتٰی تؤدّی حق زوجھا۔ عورت اپنے رب کے حقوق ادا نہیں کر سکتی جب تک کہ وہ اپنے شوہر کے حقوق ادا نہ کرے۔ (ابن ماجہ ابواب النکاح ۵۴)

اس بیان سے شوہر کے حقوق کی اہمیت اور تاکید دکھانا مقصود ہے کہ اگر کوئی عورت اپنے شوہر کے حقوق پامال کرتے ہوئے اللہ کی عبادت میں بھی لگی رہے تب بھی اس کی عبادت قبول نہیں کی جائے گی۔

۳۔ عورت اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر کسی کو اس کے گھر میں آنے کی اجازت نہیں دے سکتی۔

ولا تاذنُ فی بیتہٖ الّا باذنہ (بخاری کتاب النکاح۔ باب ۸۶)

۴۔ عورت اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر کسی سے کوئی ہدیہ قبول نہیں کر سکتی۔

لا یجوز لامرأۃ عطیۃٌ الّا باذن زوجھا (ابوداؤد۔ نسائی۔ ابن ماجہ)

۵۔ عورت اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر نفل روزہ نہیں رکھ سکتی جب کہ اس کا شوہر گھر میں موجود ہو۔ کیونکہ اس کی وجہ سے مرد کے حقوق کی ادائیگی میں فرق آسکتا ہے۔

لا تصوم المرأۃ و بعلھا شاھدٌ الا باذنہ (بخاری۔ کتاب النکاح)

۶۔ جس طرح مرد کو اپنی شریک حیات کی دیکھ بھال اور اس کی خاطر و مدارات کرنے کی سخت تاکید کی گئی ہے اسی طرح عورت کو بھی اپنے خاوند کی رضامندی کا خیال رکھنے اور اس کی نافرمانی و ناراضگی سے بچنے پر زور دیا گیا ہے۔ اور کہا گیا ہے کوئی عورت خاوند کو ناراض کر کے جنت میں نہیں جا سکتی۔

ایّما امرأۃٌ ماتت وزوجھا عنھا راضٍ دخلت الجنۃ: جس عورت کا اس حال میں انتقال ہو کہ اس کا شوہر اس سے راضی رہا ہو تو وہ جنت میں داخل ہو جائے گی۔ (ترمذی ابواب الرضاع)

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اگر میں اللہ کے سوا کسی اور کے لئے سجدہ کرنے کی اجازت دیتا تو میں کہتا کہ عورت اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔ (ترمذی۔ ابن ماجہ)

بعض حدیثوں میں آتا ہے کہ عورتیں اپنے خاوند کی ناشکری کی بنا پر زیادہ تر دوزخ میں جائیں گی کیونکہ ان میں اپنے شوہروں کی ناشکری و نافرمانی کی عادت زیادہ ہوتی ہے۔ (جاری ہے)

جناب محمد یوسف صاحب فاروقی

قسط دوم

اسلام میں سیاست و مملکت کی حقیقی بنیادیں

تیسرا اصول | تیسرا اہم اصول جس سے نظم خلافت کی تکمیل ہوتی ہے " بیعت " ہے۔ یہ لفظ بیع سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں فروخت کر دینا۔ اس لفظ کے صحیح مفہوم اور اس کی روح کو سمجھنے کے لئے قرآن حکیم کی اس آیت مبارکہ کو غور سے پڑھیئے۔

إن الله اشترى من المؤمنين انفسهم و اموالهم بان لهم الجنة يقاتلون في سبيل الله فيقتلون و يقتلون وعداً عليه حقا في التوراة والانجيل والقرآن - و من اوفى بعهده من الله فاستبشروا ببيعكم الذی بايعتم به و ذالك هوالفوز العظيم

اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان سے ان کے جان و مال کا جنت کے عوض سودا کر لیا ہے۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد و قتال کرتے ہیں کبھی مارتے ہیں اور کبھی خود مارے جاتے ہیں یہ توریت، انجیل اور قرآن حکیم میں سچا وعدہ ہے اور اللہ تعالیٰ سے زیادہ وعدہ پورا کرنے والا کون ہو سکتا ہے؟ مبارک ہو تمہیں یہ سودا جو اللہ تعالیٰ نے تم سے کر لیا ہے اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے (توبہ - ۱۱۱)

یہ آیات اس وقت نازل ہوئیں جب یثرب سے آنے والے مٹھی بھر لوگوں نے شہر مکہ کی حدود سے باہر عقبہ کے مقام پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ گویا یہ عہد تھا ایک عظیم الشان مقصد کے لئے، اپنے تن من دھن کی قربانی دینے کا۔ اہل یثرب نے جس عزم اور خلوص کے ساتھ یہ بیعت کی تھی اس کی جھلک قرآن کریم کی ان آیات میں نمایاں ہے۔ یہی بیعت عقبہ تھی جسے مدینہ منورہ میں اسلامی مملکت کے قیام میں اساسی حیثیت حاصل ہے۔

ہر فرد مسلم یا جو فرد بھی اسلام قبول کر لیتا ہے وہ اپنے رب کے ساتھ عہد و پیمان کرتا ہے۔ پھر اس عہد کی بار بار تجدید بھی کرتا رہتا ہے۔ دنیا میں اس کا یہ عہد درحقیقت عہد الست کی تجدید ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کئے ہوئے تمام عہد و میثاق کی تکمیل کے لئے امت مسلمہ جب اجتماعی نظم کے ساتھ خلیفہ کے ساتھ معاہدہ کرتی ہے تو یہ معاہدہ بیعت کہلاتا ہے۔ اس معاہدہ کی ایک فریق حکومت ہوتی ہے جب کہ دوسرا فریق رعایا ہے۔ اس معاہدہ میں خلیفہ اپنے تمام فرائض اور ذمہ داریوں کو پوری دیانت داری کے ساتھ پورا کرنے کا عہد کرتا ہے۔ اور عوام اس عظیم الشان نصب العین کے حصول

کے لئے اس کے ساتھ مخلصانہ تعاون کرنے اس کی بات غور سے سننے اور ذمہ داری کے ساتھ اطاعت کرنے کا عہد کرتے ہیں۔

بعض مسلم فقہا نے اس معاہدہ کو وکالت کے ساتھ تشبیہ دی ہے جس میں خلیفہ وقت عوام کی جانب سے وکیل ہوتا ہے۔ جو منشا صدامت کی تکمیل کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ بہر حال یہ ایک ایسا مقدس معاہدہ ہے جس کی پابندی ہر فریق پر لازمی ہے۔ اب خلیفہ وقت اور اس کی ساری سرکاری مشینری نہ صرف امت کی طرف سے سونپے ہوئے فرائض کو پورا کرے گی بلکہ عوام کو ان کے اصلی مقصد سے وابستہ رکھنے کی کوشش بھی کرے گی۔ اور معاہدہ کی خلاف ورزی کرنے کی اجازت نہیں دے گی۔ اسی طرح رعایا اپنے ارباب حل وعقد پر کڑی نظر رکھے گی۔ اور انہیں ہر حالت میں اپنے فرائض منصبی پورا کرنے پر آمادہ رکھے گی۔ عوام انہیں صحیح صحیح مشورہ بھی دیں گے۔ اور ان کی کوتاہیوں خامیوں اور غلط پالیسیوں پر پوری آزادی کے ساتھ تنقید بھی کریں گے۔ اور اگر ارباب حل وعقد معاہدہ کی زیادہ خلاف ورزی کرتے ہیں تو انہیں یہ حق بھی حاصل ہے کہ وہ معاہدہ کو ختم کر دیں کیونکہ شریعت اسلامیہ میں سمع وطاعت کی حدود متعین ہیں۔

نظم مملکت اور اسلام کے اجتماعی نظام میں بیعت کی بڑی اہمیت ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے باقاعدگی سے بیعت لی ہے۔ آپ کے دور میں جو شخص بھی اسلام قبول کرتا تھا وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت بھی کرتا تھا۔ عہد نبوی میں یہ عمل مسلسل رہا ہے۔ آں حضرت نے انفرادی بیعت بھی کی ہے اور اجتماعی بیعت بھی۔ عام الوفود میں بڑی بڑی جماعتیں آپ کے پاس آتی تھیں اور قبول اسلام کے بعد آپ کی اطاعت اور اقامت دین میں تعاون پر بیعت بھی کرتی تھیں۔

بیعت ایک اجتماعی معاہدہ ہے اسی لئے اسے لازمی قرار دیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے۔

مَن مَاتَ وَلیس فِی عُنقِہٖ بیعۃٌ مَاتَ میتۃ الجَاھلیّۃِ

جو شخص اس حال میں مرا کہ اس کی گردن میں خلیفہ کی بیعت کا طوق نہیں ہے تو وہ جاہلیت کی موت مرا۔[1]

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ

کُنّا نُبایِع رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلّم عَلَی السّمعِ وَالطّاعۃِ یقُولُ لنَا فِیمَا استَطَعتُ

ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سمع وطاعت کی بیعت کیا کرتے تھے تو آپ ہم سے فرماتے تھے کہ اپنی استطاعت بھر اطاعت کرو۔[2]

---

[1] مسلم، الجامع الصحیح۔ باب الامر بلزوم الجماعۃ [2] مسلم، الجامع الصحیح باب البیع علی السمع والطاعۃ ص ۱۳۹

جمہور امت کے بیعت کرنے سے ایک اجتماعی معاہدہ وجود میں آجاتا ہے۔ یہ معاہدہ اخلاقی حیثیت بھی رکھتا ہے اور قانونی حیثیت بھی۔ بیعت کر لینے کے بعد مملکت کا ہر فرد نہ صرف ظاہری طور پر حکومت کا وفادار و اطاعت گذار اور قانون کا پابند ہوجاتا ہے بلکہ اخلاقی طور پر بھی وہ اپنے آپ کو پابند سمجھتا ہے۔ اس پابندی میں جہاں دونوں فریق ایک دوسرے کے سامنے جواب دہ ہوتے ہیں وہاں اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہی کا عقیدہ انہیں مزید پابند بنا دیتا ہے۔ اس معاہدہ کی دینی حیثیت اسے اور زیادہ مستحکم بنا دیتی ہے۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایک منظم طاقت در معاشرہ وجود میں آجاتا ہے جو اپنے مقاصد کی تکمیل بطریق احسن کر سکتا ہے۔

عہد نبوی کے بعد خلفائے راشدین اور بعد کے خلفا بھی باقاعدہ بیعت لیتے رہے۔ مسلمانوں کی تاریخ میں اس پر طویل عرصہ تک عمل ہوتا رہا ہے۔

بیعت براہ راست بھی ہوسکتی ہے اور بالواسطہ بھی۔ دور خلافت میں ہمیں دونوں طریقے ملتے ہیں۔ بالواسطہ بیعت کے لئے لازمی ہے کہ جو شخص خلیفہ وقت کے لئے بیعت لے رہا ہے وہ قانونی طور پر خلیفہ کا نمائندہ ہو۔ وقت اور مصلحت کے تقاضوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے بیعت کی تجدید بھی ہوسکتی ہے۔ ایک سے زائد مرتبہ بیعت لینے میں کوئی حرج نہیں۔ عہد نبوی میں اس کی مثالیں ملتی ہیں۔ بعض اوقات خاص حالات میں کسی مخصوص مہم، یا کسی اہم بات پر بھی بیعت لی جاسکتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صدیبیہ اور غزوۂ خندق کے موقعہ پر جہاد پر بیعت لی تھی۔

بیعت لینے کے بعد خلیفہ کا مسجد میں آکر امت کے سامنے اپنے فرائض و ذمہ داریوں کے بارے میں عہد کرنا بھی اس کی دینی حیثیت کو تقویت دیتا ہے۔ وہ مسجد میں آکر بیک وقت اللہ تعالیٰ اور امت دونوں کے سامنے عہد و پیمان کرتا ہے۔ خلفاء راشدین خاص طور پر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے وہ خطبات جو انہوں نے تکمیل بیعت کے فوراً بعد دئے۔ ہماری سیاسی تاریخ کا شاہکار ہیں۔

نظریہ ہجرت وجہاد | چوتھی بنیادی چیز ہجرت وجہاد کا نظریہ ہے۔

ہجرت وجہاد کا باہمی تعلق بہت محکم ہے۔ اس باہمی ربط و تعلق کی وجہ سے ہم نے دونوں کو ایک ساتھ ذکر کرنا مناسب سمجھا ہے۔ قرآن حکیم نے بھی چھ مختلف مقامات پر ہجرت وجہاد کو ساتھ ساتھ ذکر کیا ہے[1]

تاریخ پر نظر رکھنے والے اہل علم اچھی طرح جانتے ہیں کہ ہجرت کے عمل نے نہ صرف انسانی تاریخ میں بڑے بڑے انقلابات پیدا کئے ہیں بلکہ تاریخ و زمانہ کے رخ کو موڑا ہے۔ یہ ہجرت خواہ موسیٰ علیہ السلام کی ہو یا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یا پیغمبر آخر الزمان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی۔ ہجرت کا مطلب یہ ہے کہ انسان باطل کے ساتھ

---

[1] آیات بقرہ ۲۱۸۔ انفال ۷۲۔۷۴۔۷۵ توبہ ۲۰ النحل ۱۱۰

ہر قسم کی مصالحت اور مفاہمت کو رد کر دے۔ اور ایسے ماحول میں جہاں دین کے احیاء اور حق کے غلبہ کے آثار کمزور پڑ گئے ہوں اپنی صلاحیتوں اور اپنی قوتوں کو ضائع نہ کرے۔ یہ ہرگز جائز نہیں کہ ایک طرف تو انسان اسلام قبول کر کے اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کو تسلیم کرلے۔ دوسری طرف مداہنت سے کام لے کر جاہلیت کے تہذیبی اور تمدنی اثرات قبول کر کے باطل نظام کا حصہ بن جائے۔ اور وہ عہد جو اس نے اپنے رب سے کیا ہے اس کی زندگی بھر خلاف ورزی کرتا رہے۔ جب حق کے داعیوں پر عرصہ حیات تنگ ہو جائے اور اپنے دین و ایمان کی حفاظت کا فریضہ صحیح طرح انجام نہ دے سکیں۔ تو پھر ان حالات میں فرض ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے وطن، قوم، گھر بار اور احباب رشتہ دار سب کو چھوڑ کر دارالاسلام کی طرف ہجرت کر جائیں۔ اور اگر دارالاسلام کہیں موجود نہ ہو تو کسی اچھے خطے میں جا کر آباد ہو جائیں جہاں حالات سازگار ہوں۔ تاکہ اپنے دین کی حفاظت بھی کر سکیں اور اس مقام کو مرکز بنا کر دنیا بھر میں دین کی دعوت کا فریضہ انجام دے سکیں۔

ہجرت شرعی نقطۂ نگاہ سے بھی اس قسم کے حالات میں فرض ہو جاتی ہے اس لئے کہ امت مسلمہ کے وہ افراد جو طاغوتی طاقتوں میں گھرے ہوئے ہوں اور جاہلی معاشرہ میں بے بس ہوں ان کی انفرادی قوت اور صلاحیتیں ضائع ہو جاتی ہیں۔ حالاں کہ ان کی تمام توانائیوں اور تمام صلاحیتیں اسلامی معاشرہ کی تشکیل اور اللہ تعالیٰ کے دین کے لئے صرف ہونی چاہییں۔

سورہ نساء میں بہت بلیغ انداز میں ہجرت پر ابھارا گیا ہے اور ان لوگوں کے بھیانک انجام کا ذکر کیا ہے جو استطاعت ہونے کے باوجود ہجرت نہیں کرتے۔ ارشاد ہے:۔

ان الذین توفّٰھم الملٰئکۃ ظالمی انفسھم، قالوا فیم کنتم، قالوا کنّا مستضعفین فی الارض قالوا الم تکن ارض اللہ واسعۃ فتھاجروا فیھا ۔ فاولٰئک مأوٰھم جھنم۔ وساءت مصیراً (النساء ۹۷)	جن لوگوں کی جان فرشتے اس حال میں قبض کریں گے کہ وہ اپنی جانوں پر ظلم ڈھائے ہوتے ہیں وہ ان سے پوچھیں گے کہ تم کس حال میں پڑے رہے؟ وہ جواب دیں گے کہ ہم تو اس ملک میں بالکل بے بس تھے (فرشتے) کہیں گے کہ کیا اللہ تعالیٰ کی تعالیٰ کی زمین وسیع تر نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کر جاتے یہی لوگ ہیں جن کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے۔

یہ ہے وہ سخت وعید جس میں تارکین ہجرت کو متنبہ کیا گیا ہے۔ سورہ انفال میں تو یہاں تک فرما دیا ہے کہ جو لوگ ہجرت کر کے آپ کے ساتھ شریک نہیں ہو جاتے ان کا ملت اسلامیہ سے کوئی تعلق نہیں۔

والذین آمنوا ولم یھاجروا مالکم	اور جو لوگ ایمان تو لاتے لیکن ہجرت نہیں کی تو جب

مِن وَلَایَتِہِم مِن شَیءٍ حَتّٰی تک وہ ہجرت نہ کریں تمہارا ان سے کوئی رشتہ ولایت
یُہَاجِرُوا (انفال ۷۲) نہیں۔

یہ ہجرت تمامتر اللہ اور رسول کے لئے ہوتی ہے۔ اسی لئے افراد کے ذاتی مفادات نہ رکاوٹ بنتے ہیں اور نہ ہی ذاتی مفادات کا تصادم ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہجرت کے عمل نے تاریخ میں سب سے زیادہ موثر، پرامن انقلاب برپا کیا ہے۔ ایسے عظیم الشان انقلاب کی کوئی نظیر ہمیں سیاسی تاریخ میں نہیں ملتی۔ روس، فرانس اور چین کے انقلابات بھی سیاسی تاریخ کا حصہ ہیں۔ لیکن ان انقلابات نے ہزاروں انسانوں، بے گناہ بچوں اور خواتین کی جانوں کو لقمہ اجل بنا کر انسانیت کو کیا دیا؟ اس کے برعکس حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کر کے جو انقلاب برپا کیا اس نے امن سلامتی کو مستحکم کیا۔ دنیا میں عدل و انصاف کا بول بالا کیا۔ احترام انسانیت کا درس دیا۔ علم و فکر، اخلاق و سیاست، تہذیب و تمدن سے دنیا کو آشنا کرایا۔ اگر ۱۳ نبوی ہجرت نہ ہوتی تو آج قوموں کی تاریخ اور علم و فکر، تہذیب و تمدن اور اخلاقی قدریں بالکل مختلف ہوتیں اور جاہلیت اتنی بھیانک شکل میں ہوتی کہ اس کے تصور سے بھی خوف آتا ہے۔

جہاد | جہاد کا لفظ جہد سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں جدوجہد کرنا۔ محنت و مشقت برداشت کرنا۔ کوئی کام انجام دینے میں تکلیف اٹھانا۔ لیکن اسلام میں یہ ایک اصطلاح ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ دنیا میں دین اسلام کے غلبہ، معروف کے قیام اور منکرات کی روک تھام کے لئے اپنی جان و مال اور فکر و دماغ کی قوتوں کو صرف کر دینا۔ اسلامی معاشرہ کی تعمیر میں جہاد کی روح سب سے زیادہ موثر قوت ہوتی ہے۔ جہاد کی روح جب تک برقرار رہے گی معاشرہ میں برائی نہیں پنپ سکے گی۔

جہاد کا آغاز بے جا خواہشات اور ہوائے نفس کے خلاف جہاد سے ہوتا ہے۔

حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بہترین جہاد یہ ہے کہ انسان اپنے نفس اور اپنی خواہشات کے خلاف جہاد کرے۔ یہی جہاد وسعت پاتا ہوا سارے انسانی معاشرہ کو محیط ہو جاتا ہے اور معاشرے سے جاہلیت کی ایک ایک گمراہی اور باطل کے ایک ایک بت کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکتا ہے۔

اسلامی مملکت اپنے آغاز ہی سے ایک دستوری مملکت ہوتی۔ اس مملکت کا ہر فرد دین اسلام کا محافظ اور قانون اسلامی کا نگران ہوتا ہے۔ یہاں ہر فرد قانون کا پابند ہوتا۔ کوئی فرد بھی قانون سے بالاتر نہیں ہوتا۔ اس دستوری مملکت کے ارباب حل و عقد کا سب سے بڑا فریضہ یہی ہے کہ اللہ کی سرزمین پر اللہ تعالیٰ کے قانون کو جاری و نافذ کریں، ظلم و فسق کو ختم کر کے عدل و نیکی کو قائم کریں۔ اس نیک مقصد میں پوری امت ان کے ساتھ کرتی ہے۔ لیکن امت اس کے ساتھ اپنے ارباب حل و عقد پر گہری نظر بھی رکھتی ہے۔ وہ ان کے اعمال و کارکردگی کا جائزہ لیتی رہتی ہے اور دیکھتی ہے کہ یہ لوگ اپنے فرائض پوری دیانتداری سے ادا کر رہے ہیں یا نہیں منصبی اختیارات اور سرکاری قوت کا استعمال

ٹھیک ٹھیک ہو رہا ہے۔ یا اس میں کوتاہی کی جارہی ہے۔ یہ امت جہاں کوتاہی دیکھتی ہے وہاں متنبہ کر دیتی ہے۔ حکمرانوں کو ان کے فرائض منصبی میں کوتاہی پر تنبیہ کرنا بھی جہاد کا ایک حصہ ہے۔ مغرب کے جمہوری نظام میں حکمرانوں پر تنقید کرنا شہری کا محض حق ہے۔ لیکن اسلام ہر شہری کا فرض ہے کہ وہ برائی کو جہاں دیکھے اسے روک دے اس کے زبان و قلم کی ہر قوت کو استعمال میں لائے۔

من رای منکم منکراً فلیغیره بیده، فان لم یستطع فبلسانه، فان لم یستطع فبقلبه و ذالك اضعف الایمان۔

تم میں سے جو شخص بھی برائی دیکھے اسے اپنے ہاتھوں سے روک دے اور اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو زبان سے روکے اور اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو اسے دل سے برا جانے اور یہ ایمان کا کمزور درجہ ہے۔

کمزور ایمان ہرگز مطلوب نہیں۔ اصل مطلوب پہلی صورت اور پھر دوسری صورت ہے۔ جہاد کی یہی وہ قوت ہے جو ملت کے ارباب حل وعقد کو بھٹکنے یا غلطی کرنے سے باز رکھتی ہے اور اگر کسی وقت کوئی جابر و ظالم حکمران بھی مسلط ہو جائے۔ تب بھی کلمہ حق کہنے سے باز نہیں رہا جا سکتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظالم و جابر حکمران کے سامنے کلمہ حق کو عظیم جہاد فرمایا ہے۔

ان من اعظم الجهاد كلمة حق عند سلطان جائر

جابر حکمران کے سامنے حق بات کہنا سب سے بڑا جہاد ہے۔

قرآن حکیم میں جان و مال دونوں کے ساتھ جہاد کا حکم ہے۔

الذین امنوا وهاجروا وجاهدوا فی سبیل الله باموالهم وانفسهم اعظم درجة عند الله

جو لوگ ایمان لائے ہجرت کی اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں جان و مال کے ساتھ جہاد کیا انہی لوگوں کا درجہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت بڑا ہے (توبہ ۲)

ملت اسلامیہ کے ہر فرد کی زندگی مجاہدانہ زندگی ہونی چاہیئے۔ اور جہاد کا یہ عمل زندگی کے آخری سانس تک مسلسل جاری رہنا چاہیئے اسی کا حکم بھی ہے۔

وَجَاهِدُوا فِي اللهِ حَقَّ جِهَادِهِ (الحج ۷۸)

اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرو جیسا کہ حق ہے اس کی راہ میں جہاد کرنے کا

اسی پر ہدایت و کامیابی کا دار و مدار ہے۔

اَلَّذِيْنَ جَاهَدُوا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا۔ جو لوگ ہماری راہ میں جہاد کرتے ہیں ہم انہیں ضرور اپنے راستوں کی راہنمائی کریں گے (عنکبوت ۶۹) اور پھر جذبہ جہاد سے سرشار ہو کر انسان اپنی عزیز ترین جان کا نذرانہ بھی اللہ تعالیٰ کی راہ میں پیش کر کے شہادت کے عظیم ترین منصب پر فائز ہو جاتا ہے یہی اہل ایمان کا مقصود ہوتا ہے کہ موت کو گلے لگا لو لیکن باطل کے سامنے ہرگز نہ جھکو۔

از جناب پروفیسر محمد اسلم صاحب

بھارت کا تازہ سفرنامہ

سہارنپور، انبیٹھہ، گنگوہ اور نانوتہ

سہارنپور پہنچ کر میں نے گھنٹہ گھر کے قریب راج دوت ہوٹل میں قیام کیا اور بارہ بجے کے قریب بس اسٹینڈ پہنچ گیا۔ وہاں جاکر میں نے انبیٹھہ جانے والی بس کے بارے میں استفسار کیا تو معلوم ہوا کہ ضلع سہارنپور میں اس نام کے دو قصبے ہیں۔ ان میں سے ایک قصبہ انبیٹھہ مرزا پور کے نام سے موسوم ہے اور یہ تحصیل دیوبند میں ہے۔ اور دوسرا قصبہ تحصیل نکوڑ میں ہے۔ اور وہ انبیٹھہ پیرزادگان کہلاتا ہے مجھے موخرالذکر قصبے میں جانا تھا۔

سہارنپور سے انبیٹھہ کا فاصلہ بیس میل اور کرایہ ساڑھے تین روپے ہے۔ بس تقریباً ایک گھنٹے میں وہاں پہنچا دیتی ہے۔ اس قصبے کی آبادی دس ہزار سے زائد ہے جس میں چھ ہزار سے زیادہ مسلمان ہیں اس وقت قصبے میں ۲۶ مسجدیں ہیں۔ جو سب آباد ہیں۔ اس قصبے کو حضرت شاہ ابوالمعالی کی وجہ سے شہرت ملی۔ ہمارے زمانے میں مولانا خلیل احمد انبیٹھویؒ، صاحب بذل المجہود نے اسے پورے ملک میں متعارف کرایا۔

مجھے حضرت شاہ ابوالمعالی کی کشش انبیٹھہ کھینچ لے گئی۔ موصوف بھاشا زبان کے مشہور شاعر اور صوفی سید میران بھیک المعروف بہ شیخ بھیکا کے مرشد تھے۔ شاہ ابوالمعالی، حضرت داؤد گنگوہی کے مرید تھے اور موخرالذکر کو حضرت محمد صادق گنگوہی سے خلافت ملی تھی۔ حضرت محمد صادق، شاہ ابوسعید گنگوہیؒ کے خلیفہ تھے۔ اور وہ حضرت نظام الدین بلخی کے دامنِ ارادت سے وابستہ تھے۔ حضرت بلخی کو خرقہ خلافت حضرت جلال الدین تھانیسری نے پہنایا تھا اور وہ حضرت قطب العالم شاہ عبدالقدوس گنگوہی کے خلیفہ اعظم تھے۔

میں درگاہ کے قریب ہی بس سے اترا اور ایک ہندو مسافر کی رہنمائی میں وہاں پہنچ گیا۔ حضرت شاہ ابوالمعالی کا مزار ایک وسیع احاطے کے اندر ایک بلند چبوترے پر ہے۔ اور اس پر شاہجہانی طرز کا ایک خوبصورت مقبرہ بنا ہوا ہے۔ مقبرہ کا سفید گردن دار گنبد اور چاروں کونوں پر خوبصورت برجیاں

عجب منظر پیش کرتی ہیں۔ گنبد کے سنہری کلس پر تو نظر نہیں ٹکتی۔ یہ عمارت میراں بھیک کے ایک غالی مرید نواب روشن الدولہ نے تعمیر کرائی تھی۔ شاہ عبدالعزیزؒ نے نواب موصوف کی قبر قدم شریف دہلی میں دیکھی تھی۔ اس پر سبز رنگ کی چادر پڑی رہتی تھی جس پر اللہ، محمد، بھیکہ منقش تھا۔

مزار کا دروازہ مقفل رہتا ہے لیکن دروازے کے قریب ہی چابی لٹکی رہتی ہے۔ میں تالا کھول کر اندر داخل ہوا۔ مقبرہ میں حضرت کے مزار کے علاوہ چھ قبریں اور بھی ہیں جن میں سے چار جانب مشرق اور دو جانب مغرب ہیں۔

مزارات کے اوپر چھت گیری معلق تھی۔ اور مقبرے کے اندر بڑا روحانی ماحول تھا۔ میں تھوڑی دیر وہاں بیٹھا اور چند سورتیں پڑھ کر اصحابِ قبور کی روح کو ایصالِ ثواب کیا۔ مقبرے کی شمالی دیوار پر ایک کتبہ نصب تھا لیکن روشنی کم ہونے کی وجہ سے میں اسے پڑھ نہ سکا۔

مقبرے کے جانب شمال مشرق ایک پرانی طرز کی مسجد ہے۔ مسجد میں ایک وسیع صحن، برآمدہ اور دالان نماز ظہر کا وقت ہونے والا تھا۔ میں نے جماعت کے ساتھ نماز ادا کی۔ اور بعد نماز مسجد میں معتکف ایک بزرگ پیرجی ظفر علی سے ملاقات کی۔ یہ بزرگ حضرت شاہ ابوالمعالی کی اولاد میں سے ہیں اور سب کچھ چھوڑ کر مسجد میں آپڑے ہیں۔ ان سے معلوم ہوا کہ حضرت کا عرس سال میں دو بار ۸ ۲ تا ۳۰ صفر اور ۸ تا ۱۰ رجب کو ہوتا ہے اور ان موقعوں پر ارد گرد کے دیہات سے زائرین بڑی تعداد میں وہاں آجاتے ہیں۔ مسجد کے اندر بہت سے تبلیغی قطعات آویزاں تھے جو پاکستان کے چھپے ہوئے تھے۔

میری درخواست پر پیرجی ظفر علی نے رفیق احمد نامی ایک نوجوان کو میرے ساتھ کیا۔ وہ مجھے محلہ چھتہ میں مولانا خلیل احمد رحمہ اللہ کے مکان پر لے گیا۔ اب یہ عقاب کا نشیمن زاغ کے تصرف میں آچکا ہے۔ یہ پر نور مکان بیرا نامی ایک کنجڑے کی ملک ہے۔ وہ خود تو فوت ہو چکا ہے۔ اس کی بیوہ وہاں مقیم ہے۔ اس نیک بخت نے مجھے مکان دیکھنے کی اجازت دی۔ میں ڈیوڑھی سے گزر کر صحن میں داخل ہوا۔ صحن کے آگے تین دروں کا ایک برآمدہ ہے۔ اور اس کے پیچھے دو کمرے ہیں۔ ان میں سے دائیں ہاتھ کا کمرہ مولانا مرحوم نے عبادت کے لیے مختص کر لیا تھا۔ اب یہ بابرکت کمرہ سٹور کا کام دیتا ہے۔ مکان کی چھت پر چڑھنے کے لئے بائیں ہاتھ ایک پختہ زینہ ہے۔ صحن کے ایک کونے میں ہینڈ پمپ نصب تھا۔ میں نے مولانا خلیل احمد رحمہ اللہ کے بابرکت گھر کا پانی پیا اور رفیق کے ساتھ واپس لوٹا۔ راستے میں محلہ سرائے چون میں پیرزادوں کی راجپوتی طرز کی خوبصورت حویلیاں دیکھیں۔ ایسا فن تعمیر اس سفر کے دوران میں اور کہیں نظر نہیں آیا۔

درگاہ کے قریب ہی مجھے گنگوہ شریف جانے والی ویگن مل گئی۔ انبیٹھ سے گنگوہ کا فاصلہ چھ میل ہے اور کرایہ ڈیڑھ روپیہ ہے۔ ویگن پندرہ بیس منٹ میں گنگوہ پہنچا دیتی ہے۔ گنگوہ کی آبادی ۳۵ ہزار ہے اور وہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے۔ قصبے کی سیادت مسلمانوں کے ہاتھوں میں ہے۔ اور الیکشن میں بھی وہی کامیاب ہوتے ہیں۔ مقامی ہندو حضرت عبدالقدوس گنگوہیؒ کے بڑے معتقد ہیں۔ اور ان کے مزار پر بڑی باقاعدگی کے ساتھ حاضری دیتے ہیں۔ بلکہ بعض ہندو تو سجادہ نشین کے ہاتھ پر باقاعدہ بیعت ہیں۔

ویگن اسٹینڈ کے قریب ہی مدرسہ اشرف العلوم کی شاندار عمارت ہے۔ میں پانچ سال بعد گنگوہ آیا تھا۔ اس وقت دارالحدیث کی عمارت زیر تعمیر تھی۔ اب یہ عمارت مکمل ہو چکی ہے۔ یہ گنگوہ کی سب سے زیادہ خوبصورت عمارت ہے۔ مدرسہ اشرف العلوم سے لکھنوتی جانے والی سڑک پر اندازاً دو فرلانگ کے فاصلے پر کھیتوں میں ایک مختصر سے باغ کے اندر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ محو خواب ابدی ہیں۔ میں ایک رکشہ لے کر وہاں پہنچا۔ اور مزار سے ملحقہ مسجد میں دو نفل ادا کئے۔ مسجد میں ایک ہینڈ پمپ نصب ہے۔ میں نے تبرکاً اس کا پانی نوش کیا اور حضرت اقدس کے مزار پر حاضر ہوا۔ میں نے چاروں قل پڑھ کر ان کی روح پُرفتوح کو ایصالِ ثواب کیا اور ان کے درجات کی بلندی کے لئے بارگاہ لم یزل میں دعا کی۔ حضرت والا کی قبر کچی ہے۔ اور زمین کی سطح سے بالشت بھر اونچی ہے۔ قبر کے سرہانے ایک کتبہ نصب ہے جس پر یہ عبارت درج ہے:۔

وَإِنَّهُ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الصَّالِحِينَ [۱]

۱۳۲۲ ھ

فخر المحدثین رأس الفقہاء قطب الارشاد امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی

قدس اللہ سرہٗ العزیز

"تاریخ وصال ۸ جمادی الاخریٰ ۱۳۲۳ھ - ۱۱ اگست ۱۹۰۵ء یوم جمعہ

حضرت اقدس کے مزار پر انوار کے قریب ہی حضرت والا کی اہلیہ مرحومہ حکیم مسعود احمد اور صاحبزادی نصرت کی قبریں ہیں۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے مزار سے حضرت قطب العالم شاہ عبدالقدوس گنگوہیؒ کی درگاہ کا فاصلہ ڈیڑھ فرلانگ کے قریب ہے۔ جب ۱۹۷۸ء میں راقم الحروف پہلی بار یہاں آیا تھا تو اس

---

[۱] اس کے عدد ۱۳۲۲ بنتے ہیں حضرت گنگوہیؒ کا سالِ وفات ۱۳۲۳ھ ہے تاریخ نکالنے میں ایک سال کا فرق ماہرین فن کے نزدیک جائز ہے۔

اس وقت حضرت کا مقبرہ بڑی خستہ حالت میں تھا۔ اب سجادہ نشین شاہ محی الدین قدوسی نے اس کی مرمت کرادی ہے۔ اور گنبد پر چینی کے برتنوں کے ٹکڑے لگا دیے ہیں جس سے گنبد کے حسن میں اضافہ ہوگیا ہے۔ میں نے درگاہ کی مسجد میں نوافل ادا کیے۔ اور اس کے بعد مزار پر حاضر ہوا۔ گنبد کے نیچے نو قبریں ہیں۔ جن کی ترتیب یوں ہے :-

شاہ فتح اللہ ابن شاہ عبدالصمد	شاہ عبدالصمد ابن شیخ حمید الدین	شیخ حمید الدین ابن عبدالقدوس	اہلیہ حضرت عبدالقدوس	حضرت عبدالقدوس
شیخ عزیز اللہ ابن فیض اللہ	شاہ فیض اللہ ابن رکن الدین	شیخ احمد	حضرت رکن الدین	

گنبد سے باہر تین قبریں ہیں ان کی ترتیب یوں ہے :-

شاہ محمد امتیاز جہاں سجادہ نشین	شیخ محمد محدث ابن عبدالقدوس	شیخ عبدالسلام ابن عبدالقدوس

درگاہ سے نکل کر میں شاہ محی الدین قدوسی صاحب سے ملنے گیا۔ موصوف سے میری پہلی ملاقات ندوۃ المصنفین دہلی میں دو سال قبل ہوئی تھی۔ انہوں نے چائے اور پان سے میری تواضع کی۔ اور بڑی دیر تک مصروف گفتگو رہے۔ میں نے ان کی خدمت میں عرض کیا کہ وہ گنگوہ شریف میں حضرت عبدالقدوس گنگوہی کی تعلیمات کی نشر و اشاعت کے لیے ایک اکیڈیمی قائم کریں اور ایک علمی مجلہ جاری کریں۔ اس اکیڈیمی میں ہر ماہ ایک علمی نشست ہو جس میں تحقیقی مقالے پڑھے جائیں۔

شاہ صاحب نے اس پر صاد فرمایا اور مجھے کہا کہ میں اس کام کی تفصیل لکھ کر انہیں بھیجوں۔ وہ جلد ہی اس پر کام شروع کر دیں گے۔

شاہ صاحب نے ایک رات قیام کرنے پر اصرار فرمایا۔ میں نے معذرت کی اور رخصت چاہی۔ انہوں نے ایک خوبصورت چادر مجھے عنایت کی۔ یہ چادر مدتوں حضرت عبدالقدوس گنگوہی کے مزار پر انوار پر پڑی رہی ہے۔

حضرت گنگوہی کا عرس ۲۳ رجمادی الثانی کو ہوتا ہے۔ اس روز حضرت کا جبہ مبارک درگاہ تک

جلوس کی صورت میں لایا جاتا ہے۔ پہلے وقتوں میں اسے ہاتھی کی پشت پر رکھ کر درگاہ تک لایا کرتے تھے اب چچا قریش حضرت گنگوہی کا جبّہ پہن کر ایک بس کی چھت پر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اور وہ بس زائرین کے ہجوم میں درگاہ تک آتی ہے۔

حضرت گنگوہیؒ نے سکندر لودھی۔ ابراہیم لودھی۔ بابر اور ہمایوں کا زمانہ پایا ہے۔ ان کا وصال ۹۴۵ھ میں ہوا تھا۔ ان کے صاحبزادے حضرت رکن الدین نے ان کے ملفوظات "لطائف قدوسی" کے عنوان سے جمع کئے تھے۔ حضرت رکن الدین سے حضرت مجدد الف ثانی کے والد ماجد مخدوم عبدالاحد نے فیض حاصل کیا تھا۔ حضرت گنگوہی کے رقعات کا مجموعہ "مکتوبات قدوسیہ" کے عنوان سے شائع ہو چکا ہے۔ حضرت گنگوہیؒ نے اپنے پردادا مرشد حضرت احمد عبدالحق ردولوی کے ملفوظات جمع کئے تھے جو انوار العیون کے نام سے طبع ہو چکے ہیں۔ ان تصانیف سے اس عہد کی معاشرت پر روشنی پڑتی ہے۔

میری استدعا پر شاہ معین الدین نے ایک رہبر میرے ساتھ کیا۔ اس کی رہنمائی میں شیخ ابوسعید گنگوہیؒ کے مزار پر حاضر ہوا۔ ان کا مزار عبدالقدوس کی درگاہ سے چند قدم کے فاصلہ پر ہے۔ ان کے مقبرہ کی عمارت چوکور ہے لیکن اس پر گنبد نہیں ہے۔ حضرت ابوسعید کو اپنے مرید شاہ محب اللہ الہ آبادی کی وجہ سے بڑی شہرت ملی ہے۔ مؤخر الذکر بزرگ کو وحدت الوجود میں غلو کی بنا پر ابن عربی ثانی کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔

کیمبرج یونیورسٹی میں میرے ایک ساتھی عبدالرحمٰن الداعی نے، جو ان دنوں نائیجیریا میں علوم اسلامیہ کے استاد ہیں۔ پروفیسر آربری کی نگرانی میں شاہ محب اللہ پر ڈاکٹریٹ کے لئے مقالہ لکھا تھا۔ قارئین کرام کی اطلاع کے لئے عرض ہے۔ کہ حضرت میاں جی نور محمد جھنجھانوی رحمہ اللہ کے شجرۂ طریقت میں شاہ محب اللہ الہ آبادی کا نام آتا ہے۔

شاہ ابوسعید کی درگاہ سے میں شاہ محمد صادق گنگوہی کی درگاہ پر پہنچا۔ ان کے مقبرہ کی پیشانی پر یہ عبارت درج ہے۔

۹۸۶ اللہ محمد ہو القدوس

مزار پر انوار حضرت شیخ محمد صادق محبوب الٰہی علیہ الرحمۃ الغفار

حضرت محمد صادق کے مقبرے کا گنبد بڑا خوبصورت ہے۔ گنبد کے نیچے حضرت والا کے علاوہ ان کے فرزند حضرت داؤد بھی محو خواب ہیں۔ اسی بزرگ سے حضرت شاہ ابو المعالیؒ نے فیض اخذ کیا تھا حضرت داؤد کے حالات ان کے نواسے غلام عبدالقدوس نے حلائق داؤدی میں قلم بند کئے ہیں۔ اس تصنیف

دلپذیر کا ایک کرم خوردہ مخطوطہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں محفوظ ہے۔ حضرت محمد صادق کے مزار کے جانب مشرق ان کے دوسرے فرزند شیخ محمد کا مزار ہے۔ یہ تینوں مزارات ایک چبوترے پر ہیں ان کے گرد سنگ مرمر کا ایک خوبصورت کٹہرہ لگا ہوا ہے۔ یہ کٹہرہ ان حضرات کے ایک ہندو معتقد لالہ بشمبر داس انبالوی کا نذر کردہ ہے۔ گنبد کے اندر جھاڑ فانوس بہت ہیں۔ درگاہ میں بجلی لالہ بدھ پرکاش انبالوی نے لگوائی تھی۔ ان دونوں معتقدین کے نام پتھروں پر کندہ ہیں۔

درگاہ کے احاطے میں ایک مدرسہ اور مسجد بھی ہے۔ درگاہ کے قریب ہی سجادہ نشین حکیم محمد سعید قدوسی کی شاندار حویلی ہے جس پہ جابجا اشعار منقوش ہیں۔ حویلی کی پیشانی پر عشرہ مبشرہ کے اسمائے مبارک منقوش ہیں۔ اور حویلی کا نام قصر الفضل کندہ ہے۔

" الٰہی ایں خانہ مبارک باشد " " رضی اللہ عن سکانہ " اور " خانہ آباد و دولت زیادہ بحق صاد " سے تاریخ بنا ۱۳۳۳ھ برآمد ہوتی ہے۔ دیوان خانے کی پیشانی پر یہ عبارت درج ہے۔

دیوان خانہ		عالیجناب حکیم محمد اسمٰعیل صاحب

ابو العیال صادقی قدوسی		۱۹۱۳ء

دیوان خانے کی دیوار جانب راست یہ ابیات منقوش ہیں۔

یاد داری کہ وقت زادن تو		ہمہ خنداں بُدند و تو گریاں

آنچناں زی کہ وقت مردن تو		ہمہ گریاں شوند و تو خنداں

جانب چپ یہ اشعار کندہ ہیں۔

زنان بار دار اے مرد ہشیار		اگر وقت ولادت مار زایند

ازاں بہتر بنزدیک خردمند		کہ فرزندان ناہموار زایند

میری دانست میں ایک سجادہ نشین کے گھر پر اس سے بہتر شعر نہیں لکھا جا سکتا۔

قصر الفضل سے میں نے اپنے رہبر سے اجازت چاہی اور نانوتہ جانے کے لئے بس سٹینڈ پہنچ گیا بس کی روانگی میں ابھی کچھ دیر تھی۔ اس لئے ایک چبوترے پر نماز عصر ادا کی اور بس میں سوار ہو کر نانوتہ روانہ ہو گیا۔

گنگوہ شریف سے نانوتہ کا فاصلہ دس میل ہے اور بس والے دو روپے کرایہ وصول کرتے ہیں۔ میں کوئی نصف گھنٹے میں نانوتہ پہنچ گیا۔ نانوتہ میں سہارنپور جانے والی سڑک پر بڑے چوک سے اندازاً دو

فرلانگ کے فاصلے پر سڑک سے ذرا ہٹ کر ایک چاردیواری کے اندر دارالعلوم دیوبند کے پہلے صدر مدرس مولانا محمد یعقوب ابن مولانا مملوک العلی اور مہتمم دارالعلوم دیوبند مولانا محمد منیر کے علاوہ ان کے اعزہ کی بھی قبریں ہیں۔ میں نے ان قبروں کے کتبے نقل کر کے ماہنامہ بینات کراچی میں شائع کرا دیے ہیں (بابت ماہ اپریل ۱۹۸۴ء)

ان مزارات پر حاضری دے کر میں قصبے میں آیا۔ اور جامع مسجد میں مغرب کی نماز ادا کی۔ امام صاحب مولوی عبدالجلیل فاضل دیوبند نے مجھے پہچان لیا۔ انہوں نے مجھے مولانا محمد قاسم نانوتوی۔ مولانا مملوک العلی۔ مولانا محمد احسن۔ مولانا محمد منیر اور مولانا محمد مظہر حسن بانی مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور کے مکانات دکھائے انہوں نے مجھے مسجد کا وہ حصہ دکھایا جہاں پہلے مولانا محمد قاسم کا حجرہ ہوا کرتا تھا۔ امام صاحب اصرار کر کے مجھے اپنے مکان پر لے گئے۔ اور چند احباب کو بھی وہاں مدعو کیا۔ انہوں نے بڑی پرتکلف چائے پلائی اور دیر تک مختلف موضوعات پر گفتگو ہوتی رہی۔ امام صاحب سے یہ معلوم ہوا کہ نانوتہ کی آبادی پندرہ ہزار ہے اور وہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے۔ قصبے میں سات مساجد ہیں جو خوب آباد ہیں۔

امام صاحب سے اجازت لے کر میں بڑے چوک میں آیا اور وہاں سے بس میں سوار ہو کر عشاء کے وقت سہارنپور پہنچ گیا۔ (جاری ہے)

بقیہ سوویت روس اور مسلمان از صفحہ ۲۸

بوجھ کر تعلیمی اعتبار سے پسماندہ رکھ کر سیاسی اور اقتصادی مراکز سے دور اجتماعی فارموں سے منسلک رکھا گیا ہے۔ پروفیسر تیواری کے اس مطالعہ سے روسی کمیونسٹوں کے ظالمانہ مزاج پر واضح روشنی پڑتی ہے اور یہ عیاں ہو جاتا ہے کہ کس طرح انہوں نے مظلوم اقوام کو ان کی اپنی سماجی، ثقافتی اور روحانی زندگی سے محروم کر رکھا ہے انہوں نے روسی مسلمانوں کی جانب سے اسلام کے لئے کی جانے والی جدوجہد کا جائزہ اس صدی کی آٹھویں دہائی تک پیش کر کے اس دور کی سب سے اہم اور فیصلہ کن کشمکش کا مکمل نقشہ پیش کر دیا ہے جو ماسکو اور مکہ کے درمیان جاری ہے۔ بلکہ جو دنیا کی دونوں بڑی طاقتوں کی بنیادی وجہ ہے۔

پروفیسر تیواری نے وسط ایشیا کے مسلمانوں میں روسی ثقافت کے فروغ کی کوششوں اور اس کے خلاف جدوجہد نیز اقلیت اور اکثریت کے باہمی تعلقات کو جس محتاط اور علمی انداز میں پیش کیا ہے۔ اس نے ان کی اس تصنیف کو اور دلاویز بنا دیا ہے ■

حکومت پاکستان

دفتر چیف کنٹرولر آف امپورٹس اینڈ ایکسپورٹس

امپورٹ کنٹرول

اطلاع عام

پاک چین بارٹر نمبر ۱۱ مجریہ ۱۵ اپریل ۱۹۸۲ء اور
پاک چین بارٹر نمبر ۱۲ مجریہ ۲۴ اپریل ۱۹۸۲ء کی برقراری

دفتر ہذا کے پبلک نوٹس نمبر NO.32(84)IMP-I 16(84)IMP-I مجریہ ۱۲ مارچ ۱۹۸۴ء کو منسوخ کرتے ہوئے جملہ متعلقین کو مطلع کیا جاتا ہے کہ پاک چین بارٹر نمبر ۱۱ مجریہ ۱۵ اپریل ۱۹۸۲ء اور پاک چین بارٹر نمبر ۱۲ مجریہ ۲۴ اپریل ۱۹۸۲ء کو برقرار رکھتے ہوئے اب لیٹر آف کریڈٹ کھولنے کی تاریخ میں ۳۱ اکتوبر ۱۹۸۴ء تک اور مال کی شپمنٹس مکمل کرنے کی تاریخ ۳۱ جنوری ۱۹۸۵ء تک ترمیم کر دی ہے۔

دستخط

(سعید اے زیدی)
ڈپٹی کنٹرولر

برائے چیف کنٹرولر آف امپورٹس اینڈ ایکسپورٹس

PID(I) 5474/12
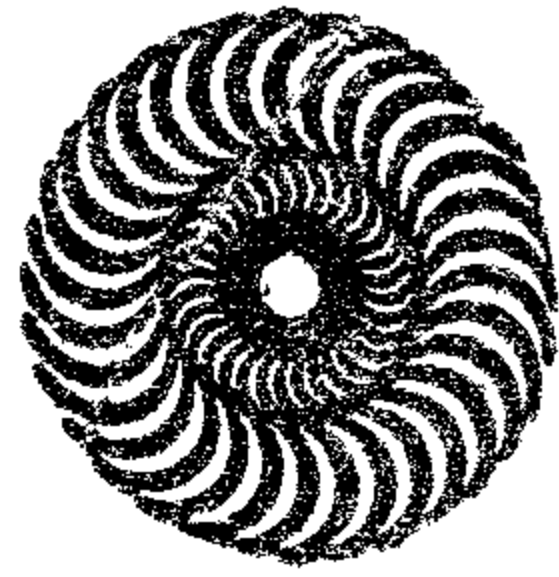
ایگل
ایک عالمگیر
قلم
خوشخط
رواں اور
دیرپا۔
اسٹیل
کے
سفید
اریڈیم ٹپڈ
نب کے
ساتھ،
ہر
جگہ
دستیاب
EAGLE
EAGLE IRIDIUM
آزاد فرینڈز
اینڈ کمپنی لمیٹڈ

کنول لنن، صنم پاپلین
بے نظیر پاپلین
کہکشاں پرنٹس
سنگم بوسکی
مایہ ناز پاپلین
کمانڈر پاپلین
پریذیڈنٹ لان
جمال ۳۰۰۰ پاپلین
جمال ۵۰۰۰ لان
۲-ڈائمنڈ ٹیکسر
صنم ڈیلکس پاپلین
پرل کارڈ
سوٹنگ
دلکش
دلنشیں
دلفریب
حسین
کے
پارچہ جات
حسین کے خوبصورت پارچہ جات
نہ صرف آنکھوں کو بھلے لگتے ہیں،
بلکہ آپ کی شخصیت کو بھی،
نکھارتے ہیں۔ خواتین ہوں یا
مرد دونوں کے ملبوسات کیلئے
موزوں۔ حسین کے پارچہ جات،
شہر کی ہر بڑی دکان پر،
دستیاب ہیں۔
HUSEIN
FABRICS
خوش پوشی کے پیش رو
حسین ٹیکسٹائل ملز
حسین انڈسٹریز لمیٹڈ کراچی
کا ایک ڈویژن

پاکستان کا
نمبر
1
بائیسکل
SOHRAB
سہراب

از اظہر صدیقی برہان آفس دہلی

مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی کی رحلت

کل ہند مسلم مجلس مشاورت کے صدر، جنگ آزادی ہند کے عظیم و محترم مجاہد۔ باوقار قومی و ملی رہنما، حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی ۱۲ مئی کو بعد ظہر دو سال کی علالت کے بعد انتقال فرما گئے۔ آپ کی نماز جنازہ دوسرے دن صبح ۸ بجے دہلی کی تاریخی جامع مسجد میں مولانا عبداللہ بخاری شاہی امام نے پڑھائی ہزاروں کی تعداد میں لوگ جنازہ اور تدفین میں شریک ہوئے۔ آپ کے انتقال کی خبر سے پوری دہلی اور پورے ملک میں رنج و غم کی گھٹا چھا گئی۔

جامع مسجد اور آس پاس کے علاقہ کے تمام بازار بند ہو گئے۔ اور آپ کی رہائش گاہ پر لوگوں کا تانتا بندھ گیا ہندوستان کے مختلف شہروں سے مفتی صاحب کے انتقال پُر ملال پر تعزیتی جلسوں کی اطلاعات مل رہی ہیں۔ وزیر اعظم ہند مسز اندرا گاندھی نے آپ کے انتقال پر گہرے رنج و غم کا اظہار کرتے ہوئے آپ کو بلند پایہ عالم دین، سرکردہ مجاہد آزادی اور عظیم محب وطن قرار دیا ہے۔

مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی ہندوستان کے ممتاز صاحب بصیرت و رمند عالم دین اور عظیم مسلم رہنما تھے۔ آپ ۱۹۰۱ء میں دیوبند کے ایک مشہور علمی خاندان کے بزرگ مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب عثمانی کے یہاں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم سے آخر تک دار العلوم دیوبند کے جید اساتذہ کرام سے حاصل کی۔ اور امتیازی حیثیت سے کامیابی حاصل کی۔ فراغت کے بعد آپ کو اکابر دار العلوم نے افتاء تدریس کی خدمات سپرد فرمائیں۔ جس کو آپ نے نہایت قابلیت کے ساتھ انجام دیا۔

کچھ عرصہ بعد آپ ڈابھیل تشریف لے گئے۔ اور وہاں جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں مفتی و مدرس کی حیثیت سے گراں قدر خدمات انجام دیں۔ اسی زمانہ میں گاندھی جی کی مشہور نمک تحریک کا آغاز ہوا۔ اور انگریز گورنمنٹ نے ان لوگوں کی جائیدادوں کو ضبط کرنا شروع کر دیا جو اس تحریک میں حصہ لے رہے تھے۔ آپ نے یہ فتویٰ صادر کیا کہ ان جائیدادوں کو خریدنا مسلمانوں کے لئے جائز نہیں ہے۔ اس فتویٰ سے جہاں تحریک میں جان پڑی وہاں گورنمنٹ بوکھلا گئی۔ اور اس نے مفتی صاحب کے خلاف وارنٹ جاری کر دیا اور آپ کو ملازمت ترک کرنی پڑی آپ نے تحریک، آزادیٔ وطن میں سرفروشانہ حصہ لیا اور اپنی پُرجوش اور ولولہ انگیز تقریروں سے لوگوں کے

دلوں میں آزادی کے جذبوں کی چنگاریاں روشن کیں۔

جمعیۃ علمائے ہند نے تقریباً پچاس سال تک سرگرمی، جانفشانی، بصیرت اور اخلاص کے ساتھ ملی خدمات سرانجام دیں۔ جمعیۃ علمائے ہند کے صف اول کے راہنماؤں میں شمار کیے جاتے تھے۔ جمعیۃ علمائے ہند کے علاوہ تمام مسلم تنظیموں اور بے شمار تعلیمی و سماجی اداروں میں آپ کی صلاحیتوں، اصابت رائے اور دانشمندانہ مشوروں کا اعتراف کیا جاتا تھا۔ اور آپ کی راہ نمائی سے فائدہ اٹھایا جاتا تھا۔

کل ہند مسلم مجلس مشاورت اور آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے لئے تو آپ کی ذات گرامی دل اور دماغ کی حیثیت رکھتی تھی۔ ان تنظیموں کو قائم رکھنے، پروان چڑھانے اور ان کو زیادہ سے زیادہ مؤثر و مفید بنانے میں آپ کی بزرگ و محترم شخصیت کلیدی حیثیت تھی۔ دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے اہم اور مؤثر ممبر تھے کئی بار سنٹرل حج کمیٹی کے چیئرمین رہے۔ سنٹرل وقف کونسل اور وقف بورڈ اور مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے کورٹ کے ممبر رہے۔

ندوۃ المصنفین دہلی جیسے ٹھوس علمی ادارہ کو قائم کر کے آپ نے ملت اسلامیہ عالم، دنیائے علم و ادب اور دین و مذہب کی ناقابل فراموش خدمات انجام دیں۔ اہل فکر و نظر تسلیم کرتے ہیں کہ اس سخت اور دشوار کن حالات میں حضرت مفتی صاحب نے ایسا علمی کارنامہ سرانجام دیا ہے جس کا مقام تاریخ علم و ادب میں بہت بلند ہے کئی لاکھ صفحات پر مشتمل ٹھوس علمی و تحقیقی لٹریچر اس ادارہ سے شائع ہوا ہے جس کی قدر و قیمت ارباب فکر و دانش اچھی طرح سمجھتے ہیں۔ اخلاق و شرافت شائستگی و تہذیب، بلند حوصلگی وسعت قلب و فکر عفو و درگذر وضعداری و پاسداری کی ایسی پاکیزہ خصوصیات آپ میں پائی جاتی تھیں جن کی وجہ سے آپ نہ صرف مسلمانوں کے تمام طبقوں بلکہ ملک و بیرون ملک کے دوسرے لوگوں میں بھی نہایت عزت و احترام کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔ آپ صحیح معنوں میں انسانی ہمدردی اور خدمت خلق کا بہترین مجسمہ اور نکھرا ہوا نمونہ تھے۔ نہ جانے کتنے نوجوان ہیں جنہوں نے حضرت مفتی صاحب کی فکری رہنمائی کی روشنی میں اپنی زندگی کی راہوں کو روشن کیا ہے اور نہ جانے کتنے لوگوں کا مستقبل آپ کی اور آپ کی امداد و تعاون کی بدولت روشن ہوا ہے۔

تحریر و تقریر کے میدان کے کامیاب شہسوار تھے۔ زبان و قلم میں بلا کی شگفتگی و دلاویزی تھی۔ آپ کی تقریروں میں علم و روحانیت، فکر و بصیرت اور تحقیق و کاوش کے جوہروں کے ساتھ ساتھ ادب کی چاشنی اور اسلوب کی دلاویزیاں چمکتی دمکتی نظر آتی ہیں۔ کئی اہم کانفرنسوں کی صدارت فرماتے ہوئے آپ نے جو خطبہ ہائے صدارت پیش کئے ہیں وہ بھی آپ کی ملی ہمدردیوں، فکر و شعور کی پختگی، علم و دانش کی روشنی اور بلند پایہ تجربوں کا گراں قیمت اور قابل استفادہ نچوڑ معلوم ہوتے ہیں۔ آل انڈیا ریڈیو سے دینی و مذہبی موضوعات پر آپ کی

تقریریں کتابی شکل میں چھپ چکی ہیں۔ جو اہلِ علم کی نظر میں ہر اعتبار سے اہم اور منفرد قرار پائی ہیں۔

مختصر یہ کہ حضرت مفتی صاحب کی ذات گرامی قدیم روایات صالحہ کی قیمتی یادگار تھی۔ عالمانہ تہذیب و شائستگی کی ایک ایسی فلک بوس عمارت آپ کے انتقال سے زمین پر آ رہی جو بڑی دلکش بڑی بلند پایہ اور قابلِ حفاظت تھی۔ آپ نے بیرونی ملکوں کے کئی سفر کئے اور اہم ترین کانفرنسوں میں اپنی بصیرت افروز رہنمائی کا مظاہرہ کیا۔

انڈونیشیا۔ روس۔ پاکستان اور سعودی عربیہ وغیرہ کئی ملکوں کا دورہ کیا اور ہر جگہ ہر عنوان اور ہر میدان میں اپنی بہترین صلاحیتوں۔ جذبات اخلاص اور بلند پایہ علمی مقام اور بے مثال تجربوں کی روشنی سے منور فرمایا۔ آپ کی تقریریں جو آپ نے آل انڈیا ریڈیو سے مختلف مذہبی و دینی موضوعات پر نشر کیں کتابی شکل میں "منارِ صدا" کے نام سے چھپ چکی ہے۔

حضرت مفتی صاحب شیخ الہند مولانا محمود الحسن، مفتی اعظم مولانا مفتی عزیز الرحمٰن۔ علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اور علامہ انور شاہ کشمیریؒ جیسے آسمانِ علم کے آفتاب ماہتاب ہستیوں کے نقوشِ تاباں کی ایک آخری یادگار اور قیمتی کڑی تھے اور شرافت، وضعداری۔ فکر و فہم۔ اعتدال و میانہ روی۔ حق شناسی اور علوم حقائق کے بحرِ بیکراں کی شناوری میں اپنی مثال آپ تھے۔ تحریر ادب عالیہ کا ایک نمونہ تقریر ترتیب فکری و علمی کا شاہکار۔

اللہ تعالیٰ آپ کی بال بال مغفرت فرمائے۔ اور آپ کے پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

آپ کے انتقال سے نہ صرف آپ کے صاحبزادگان، صاحبزادی اور دیگر اہل خاندان یتیم ہو گئے بلکہ ہندوستانی مسلمانوں کی سیاسی، علمی، سماجی اور دینی صفوں میں سناٹا چھا گیا ہے۔ اور لاکھوں دلوں میں غم و الم کی دردانگیز کیفیت پیدا ہو گئی ہے۔

آپ نے کبھی گورنمنٹ کوئی عہدہ و منصب قبول نہیں کیا۔ مگر پھر بھی حکومت کے اعلیٰ ارکان، وزیر اعظم اور دیگر وزراء نے آپ کی جدائی کو شدت سے محسوس کیا۔ اور ناقابلِ تلافی نقصان قرار دیا۔

تمام مدارس دینیہ و اسلامیہ سے پرخلوص درخواست ہے کہ وہ اسلام اور اہل اسلام کے مخلص ترین خادم و رہنما کے لئے ایصالِ ثواب کا خصوصی اہتمام فرمائیں۔

MFTM-5-77

Asiatic

قارئین بنام مدیر

افکار و تاثرات

- قرآنی قصص اور ٹی وی فلمیں
- قادیانی اور صدارتی آرڈیننس
- عرب امارات کی حق شناسی
- صوبہ سرحد کی عربی ادب تاریخ
- مکتوب دہلی
- معلمین دینیات وقرأ سے بے انصافی
- ماہنامہ طیب دیوبند

قصص القرآن پر مبنی ٹی وی فلمیں | سعودی عرب کے ٹیلیویژن کی جانب سے "قصص القرآن" کے عنوان کے تحت ڈراموں اور کھیلوں کا ایک سلسلہ شروع ہوا ہے۔ نہ معلوم یہ سلسلہ کب سے جاری ہے۔ پاکستان میں جمعرات، رمضان المبارک کو ٹیلیویژن پر اس کی پہلی قسط "بنی اسرائیل" پر مبنی فلم پیش کی گئی ہے۔ جو سورت بنی اسرائیل کے واقعات کا جزء بتائی گئی۔ بظاہر یہ سلسلہ بچوں کی تعلیم کے لئے ہے خاص طور پر اعلان کیا گیا کہ جامعہ ازہر مصر نے اس کی منظوری دی ہے وغیرہ۔

کیا یہ ایک نئی لعنت نہیں ہے کہ قرآن کریم کے قصوں اور قرآن کے بیان کردہ حالات پر فلمیں تیار ہونے لگیں اور یہ سب اس لئے جائز کر لیا جائے کہ ایک مسلمان ملک اس کو تیار کر رہا ہے دوسرا اس کی اجازت دے رہا ہے کہ یہ جائز ہے۔ قبل ازیں اسی اصول پر تیار شدہ فلم "پیغمبر" مسلم ممالک میں نمائش نہیں کی جا سکی کہ اس میں صحابہ کرام کے پارٹ کئے گئے تھے۔ حالاں کہ وہ فلم تاریخ پر مبنی تھی۔ قرآن و حدیث سے ربط نہیں بتایا گیا تھا۔

اور اب یہ سلسلہ "قصص القرآن" کے عنوان سے شروع ہوا ہے جب کہ "قصص الحدیث" یا تو پیشتر ہی تیار ہو چکے ہوں گے۔ یا اب نمبر آجائے گا۔ کیا یہ صورت جائز اور قابل عمل ہے۔ غور فرمایئے یقیناً اس کا آئندہ قدم صحابہ کرام اور پھر پیغمبروں اور فرشتوں کے واقعات پیش کرنے کی صورت میں ہوگا۔ اس سلسلے میں زبردست احتجاج اور تحریر و تقریر کے ذریعے اس فتنہ کو روکنے کی ضرورت ہے۔

۱۔ ایک مشترکہ استفتاء مرتب کیا جائے جس کی اشاعت عام ہو۔
۲۔ اخبارات اور رسائل میں شذرات اور مضامین کے ذریعے حکومت و عوام کو متوجہ کیا جائے۔
۳۔ متعلقہ حکام اور ٹیلیویژن کارپوریشن کو آگاہ کیا جائے کہ یہ سلسلہ ہمیشہ کے لئے بند کیا جائے۔

محمد منصور الزمان۔ صدیقی ٹرسٹ کراچی

قادیانیت اور صدارتی آرڈیننس کے تشنہ طلب پہلو | "مسلمانوں کی فتح مبین" میں اپنے مختصر انداز میں جن خیالات اور شبہات کا اظہار کیا ہے وہ صرف آپ ہی کا حصہ ہے۔

صدارتی آرڈیننس ۸۴ء کا مکمل متن جو کہ جناب والا نے قارئین الحق کیلئے شامل کیا ہے اس کو بھی پڑھا اور ایک سوال دماغ میں پیدا ہوا جو کہ درج ذیل کیا جاتا ہے۔ اس درخواست کے ساتھ کہ جناب والا اس پر کچھ روشنی ڈالیں گا۔

دفعہ ۲۹۸ ب، کے ضمن میں جن القاب کو استعمال کرنا منع کیا گیا ہے ان میں اس ناچیز کے خیال کے مطابق دو القاب یعنی "علیہ السلام" اور "امام" شامل نہیں کئے گئے لقب "علیہ السلام" کو قادیانی صاحبان چونکہ مرزا غلام احمد قادیانی صاحب کے لئے استعمال کرتے ہیں اور اس کے استعمال سے منع نہ کرنے کے معنے یہ ہوئے کہ ہم نے بلاواسطہ مرزا صاحب کو نبی ماننے کی اجازت دے دی ہے کیونکہ یہ لقب ہر مسلمان صرف انبیائے کرام کے لئے ہی استعمال کرتا ہے۔ دوسرے یہ کہ لقب "امام" ایک خالص اسلامی اصطلاح ہے جس کا استعمال قادیانیوں کے لئے جو کہ غیر مسلم ہیں جائز رکھا گیا ہے۔

عرب امارات کی حق شناسی | گذشتہ کچھ دنوں سے یہاں حکومتی سطح پر "بریلوی فتنہ" کی تحقیقات شروع ہیں اس فتنہ کے بارے میں عربی اخبارات بھی مضامین شائع کر رہے ہیں گذشتہ ماہ "الہدیٰ" جو کہ حکومتی اخبار ہے نے اس سلسلہ میں ایک مضمون شائع کیا تھا جس کی اصل کاپی ارسال کر رہا ہوں جس کی سرخی یہ ہے "البریلویۃ فرقۃ خارجۃ فی الدین"۔ دوسری اوقاف جس کا ان کو کافی سہارا تھا۔ اس نے بھی اس سلسلہ میں ایک آٹھ رکنی کمیٹی تشکیل دی ہے جو کہ مکمل تحقیق کرکے اوقاف ڈائرکٹر کو اس کی رپورٹ دے گی۔

ہمارے اکابرین نے اس فتنہ کی سرکوبی کے لئے جو محنت کی ہے یا کر رہے ہیں اس کے نتائج آہستہ آہستہ سامنے آ رہے ہیں۔ انشاءاللہ العزیز وہ وقت بہت قریب ہے جب یہاں پر اس فتنہ کا مکمل صفایا ہو جائے گا۔

مولانا محمد فہیم صاحب و حافظ بشیر احمد جیمہ، جمعیۃ اہلسنت والجماعۃ دبئی عرب امارات

صوبہ سرحد کے عربی ادب کی تاریخ | میں صوبہ سرحد کے ان علماء اور ادباء (قدیم و جدید، مرحومین اور بقید حیات) کے متعلق ایک جامع تحقیقی مقالہ عربی زبان میں لکھ رہا ہوں جنہوں نے عربی زبان میں حواشی، تعلیقات، اشعار، مقامات، مضامین اور کتابیں وغیرہ لکھیں جو چھپیں یا مخطوطات کی شکل میں موجود ہیں۔

مجھے ان علماء کے اسمائے گرامی، ولدیت، تاریخ ولادت، رہائش، حصول علم اور فراغت کا حال۔ اساتذہ کرام، تاریخ وفات، تصنیف / تصانیف کا نام، تاریخ طباعت، صفحات اور نمونہ تحریر (ایک صفحہ تقریباً) کی ضرورت ہوگی۔

میرے مقالے میں صوبہ سرحد کے ان دینی عربی مدارس کا جائزہ بھی شامل ہوگا۔ اس لئے ان مدارس کی اجمالی تاریخ بھی

ہو گی۔ میں نے کافی معلومات حاصل کرلی ہیں۔ ممکن ہے کوئی گوشہ سامنے نہ آسکا ہو۔ یا کوئی مصنف، جو تاریکی کے پردے میں ہو۔ اس لئے گزارش ہے کہ جن حاملین علم کے پاس ایسی معلومات ہوں وہ ازراہ کرم اختصار سے مجھے ارسال فرمائیں۔ تاکہ صوبہ سرحد کے عربی ادب کی تاریخ محفوظ ہوجائے۔

ریاست پنجتار کے ایک قاضی، قاضی سید عالم جو ۱۸۰۰ء کے لگ بھگ گزرے ہیں اور گدون کے رہنے والے تھے ان کے متعلق اگر کسی کو معلومات ہوں تو مجھے ان کے حاصل کرنے میں بڑی مسرت ہوگی۔

محمد عارف نسیم۔ پرنسپل گورنمنٹ ڈگری کالج تھانہ۔ مالاکنڈ ایجنسی

مکتوب دہلی ۱۲مئی ۱۹۸۴ء دوپہر کو مفکر ملت مولانا مفتی عتیق الرحمن صاحب عثمانی دارفانی سے دارالبقار کو کوچ فرماگئے۔ اور اپنے مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی کے پاس قبرستان شاہ ولی اللہ میں پہنچ گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

۱۴مئی ۱۹۸۴ء کو آل انڈیا ریڈیو کی مجلس نے ان کے بارے میں غازی کا انٹرویو حاصل کیا تھا۔ اگر آپ ہندوستان کے ریڈیو سنتے ہوں گے تو یہ انٹرویو سن لیا ہوگا۔ (خان غازی کابلی دہلی)

معلمین اسلامیات و قاری اساتذہ سے بے انصافی معلمین اسلامیات و قاری اساتذہ جو ملک کے گوشے گوشے میں سکولوں میں اسلامیات کا لازمی مضمون پڑھاتے ہیں کو تنخواہ کا معقول سکیل دیا جائے۔ جو کم از کم ایس ای ٹی (S.E.T) اساتذہ کی تنخواہ کے سکیل کے برابر ہو۔ اور اس کا نفاذ یکم جولائی ۱۹۸۳ء سے ہو۔ یہ بات باعث صد افسوس و دکھ ہے کہ جب بھی تنخواہ میں اضافہ کیا گیا تو معلمین اسلامیات کو نظر انداز کیا گیا۔ ایک نظریاتی ملک میں نظریہ تعلیم دینے والوں کی تنخواہ سب سے معقول ہوتی ہے۔ جو کہ ایک فطرتی قانون ہے لیکن بدقسمتی سے یہاں معاملہ برعکس ہے۔ اور سب سے افسوسناک بات یہ ہے کہ یکم جولائی ۱۹۸۳ء سے پہلے معلمین اسلامیات و قاری و پی ٹی سی اساتذہ کا بنیادی سکیل ایک تھا۔ لیکن جولائی ۱۹۸۳ء سے جو سکیل نافذ ہوا ان میں پی ٹی سی اساتذہ کو سکیل نمبر ۷ اور ایک تہائی اساتذہ کو سلیکشن گریڈ سکیل نمبر ۱۰ دیا گیا۔ جب کہ معلمین اسلامیات کو بدستور سکیل نمبر ۶ اور سلیکشن گریڈ نمبر ۸ میں رکھا گیا۔

یعنی اس وقت محکمہ تعلیم کے ٹیچنگ سٹاف میں سب سے کم تنخواہ پانے والے معلمین اسلامیات ہیں یعنی اسلام و قرآن کے خادم اساتذہ کو اپنے جائز اور مستحق مقام دینے سے محروم کر دیا گیا ہے۔ بلکہ سب سے کم درجہ میں رکھا گیا ہے۔ موجودہ حکومت سے معلمین کی جو توقعات وابستہ تھیں وہ سب کی سب خاک میں مل گئیں۔ موجودہ حکومت جو سابقہ تمام حکومتوں کے مقابلہ میں احیائے اسلام و نفاذ اسلام میں مصروف ہے اور عملی اقدامات بھی کر چکی ہے۔ اس کے دور میں بھی معلمین اسلامیات کو بلحاظ تنخواہ سب سے کم درجے میں رکھے گئے ہیں جب کہ

میٹرک انٹرمیڈیٹ ٹیچر کو سکیل نمبر ۷ میں تنخواہ ملتی ہے۔ اور مدارس دینیہ کے سند یافتہ مستند عالم دین کو سکیل نمبر ۲ ملتی ہے۔ انسوس صد افسوس۔ لہٰذا معلمین اسلامیات و قاری و ایلیمنٹری اساتذہ کو از روئے نوٹیفیکشن نمبر ۸۲/۱۲۸ / ACAD / ۴۱۸ ۔ ۸ مجریہ ۱۹۸۳ ء ۵ ۔ ۱۲ ۔ ایم اے کی ڈگری دی جائے۔ اور ایس ای ٹی S.E.T کا سکیل دیا جائے۔ اور اس کا نفاذ یکم جولائی ۱۹۸۳ ء سے ہو۔ سکولوں کے ساتھ کالجوں میں بھی تقرری کے احکامات جاری کئے جائیں۔

(معلمین اسلامیات و قاری ایلیمنٹری صوبہ سرحد)

ماہنامہ طیب دیوبند ● مرکز علم دیوبند سے علمی۔ دینی۔ تحقیقی اور فکر انگیز ماہنامہ ● ہندوستان میں اسلاف کے گذشتہ سو سال سے زائد کے عظیم کارناموں کا امین ● علمائے دیوبند کی گراں قدر خدمات اور روشن کارناموں کا مکمل تعارف ● تحقیقی مقالات، فکر انگیز مضامین اور علمی موضوعات پر مشتمل صاف ستھرا رسالہ۔ جو حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب نور اللہ مرقدہ کی یاد میں منصۂ شہود پر آرہا ہے۔ خود ممبر بنئے۔ دوسروں کو متوجہ کیجئے اور تاحیات ممبر بن کر تعاون کیجئے۔

سالانہ خریداری ۵۰ روپے۔ زرتعاون ۸۰۰ روپے

نوٹ۔ پاکستانی خریدار اپنا سالانہ چندہ یا زرتعاون مندرجہ ذیل پتہ پر بھیجکر ایک خط کے ذریعہ ہمیں اطلاع دیں۔ جناب مشکور علی صاحب تھانوی۔ سخاوت میڈیکل اسٹور ۲۶ نابھہ روڈ۔ پرانی انار کلی۔ لاہور

خط و کتابت کا پتہ:۔ ماہنامہ "طیب" دیوبند ۲۴۷۵۵۴ ۔ یوپی

از مولانا محمد ابراہیم فانی مدرس دار العلوم حقانیہ

تاثراتِ منظوم

حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہ کی شرح ترمذی "حقائق السنن" کی طباعت پر

نو عروسی از حجاب آمد پدید　　دُرِّ یکتا از نقاب آمد پدید

جلوہ گر بر آسمانِ علم و فن　　آفتاب و ماہتاب آمد پدید

شرحِ اقوالِ رسولِ مجتبیٰ　　دل کشا با آب و تاب آمد پدید

زمزمہ ہائے دروسِ شیخ ما　　ہمچو قلزم سیلِ آب آمد پدید

گو کہ روحِ حضرتِ سید حسینؒ[1]　　در لباسِ ایں جنابؒ[2] آمد پدید

وارثانِ مصطفیٰ را مژدہ باد　　یک کتابِ لاجواب آمد پدید

شکرِ ایزد بر ظہورِ شرحِ ایں　　رحمتِ حق بے حساب آمد پدید

بے نظیر و بے مثیل و بالیقیں　　کہکشاں اندر سحاب آمد پدید

باد فانی بہرہ ور از فیضِ او
بے بہا گنج از غیاب آمد پدید

---

[1] شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہٗ

[2] شیخ الحدیث حضرت مولانا عبد الحق صاحب مدظلہٗ

محکمہ مواصلات و تعمیرات صوبہ سرحد

ٹنڈر نوٹس

محکمہ مواصلات و تعمیرات صوبہ سرحد کے منظور شدہ ٹھیکیداروں سے مندرجہ ذیل کاموں کے لئے ٹنڈر مطلوب ہیں۔

نمبر شمار	کام کی تفصیل	تخمینہ لاگت	زر ضمانت	میعاد تکمیل
۱-	ری سرفسنگ آف روڈز دوران ۸۵-۱۹۸۴ء			
i-	تیمرگرہ سیکشن	10,00,000/=	20,000/=	1984-85
ii-	دیر سیکشن	9,45,000/=	18,900/=	1984-85

درخواستیں برائے حصول ٹنڈر فارم مندرجہ ذیل کوائف کے ساتھ مورخہ ۱۹-۶-۸۴، ۲۰-۶-۸۴ کو دن کے ایک بجے تک زیر دستخطی کے دفتر کو پہنچ جانی چاہئیں (۱) بحیثیت ٹھیکہ دار محکمہ میں درج شدہ نام و پتہ۔ (۲) رجسٹریشن فیس کی رسید (فوٹوسٹیٹ کاپی) ۳- موجودہ کاموں کی فہرست جس میں (ل) کام کا نام (ب) لاگت (ج) تکمیل کی میعاد (د) کام شروع کرنے کی تاریخ (س) کام کی تکمیل کی تاریخ (ص) اب تک جتنا کام کیا اس کا تخمینہ کے متعلق تفصیل درج کرنی چاہیئے۔ (۴) ٹنڈر فارم مستحق ٹھیکیداروں کو مبلغ -/۲۰۰ روپے نقد ادائیگی ناقابل واپسی مورخہ ۱۹-۶-۸۴، ۲۰-۶-۸۴ کو دن کے ۸ بجے تا ۱ بجے تک جاری کئے جائیں گے ۵- سربمہر ٹنڈر مورخہ ۲۰-۸-۸۴، ۲۱-۸-۸۴ علی الترتیب دن کے ۱۱ بجے تک وصول کئے جائیں گے۔ اور اسی دن ۱۲ بجے متعلقہ ٹھیکیداروں یا ان کے مختیار کارندوں کی موجودگی میں کھولے جائیں گے۔ ۶- زر ضمانت بصورت کال ڈیپازٹ بحق ایگزیکٹو انجنیئر دیر سی اینڈ ڈبلیو ڈویژن تیمرگرہ ٹنڈر فارم کے ساتھ منسلک ہونا چاہیئے۔ نقد رقم بطور زر ضمانت وصول نہیں کی جائے گی۔ ۷- مشروط، نامکمل یا بذریعہ تار ٹنڈر قبول نہیں ہوں گے۔ ۸- افسر مجاز کو حق حاصل ہے کہ وہ بلا اظہار وجوہ کسی یا تمام ٹنڈروں کو مسترد کردے۔ ۹- مزید معلومات دفتر ہذا سے کسی بھی یوم کا دفتری اوقات میں حاصل کئے جاسکتے ہیں۔

ایگزیکٹو انجنیئر

دیر سی اینڈ ڈبلیو ڈویژن تیمرگرہ

INF(P) 1367

بقیہ اداریہ صہ۴

بہرحال ایک طویل بحث ومناقشہ اور ردوقدح کے بعد اسمبلی نے متفقہ طور پر وہ ایمان آفرین فیصلہ کیا۔ جس کے نتیجہ میں قادیانی غیر مسلم اقلیت قرار پائے۔ اور آئین میں ترمیم کے ذریعہ ملت مسلمہ کے اس مؤقف پر مہر حقانیت ثبت کر لی گئی۔

مسلمانوں کی اس عظیم فتح میں پیش نظر کتاب کا ایک بنیادی کردار ہے۔ یہ ایک تاریخی دستاویز ہے جو اس تحریک کا زریں باب ہے۔ مگر بعض ناگزیر حالات بالخصوص قومی اسمبلی کے اس بحث ومباحثہ کی اشاعت پر پابندی کی وجہ سے یہ کتاب اپنی اصلی شکل میں مسلمانوں کے سامنے تاحال نہیں آسکی تھی۔ اصل شکل میں اس لئے کہ حضرت بنوری قدس سرہ نے اپنے ہاں سے اس کا عربی ترجمہ "موقف الامۃ الاسلامیہ من القادیانیۃ" کے نام سے بڑے اہتمام سے شائع کرا کر اسے عالم عرب میں تقسیم کرایا۔ اور دارالعلوم کراچی کے زیر اہتمام اس کا انگریزی ترجمہ چھپ کر شائع ہوا۔ مگر کتاب اپنے اصل متن اور اصل شکل میں پہلی بار شائع کی جا رہی ہے کیونکہ اس وقت چند ہی محدود نسخے صرف ارکان اسمبلی اور زعماء حکومت میں تقسیم کئے گئے تھے۔

یہ میری دیرینہ آرزو تھی کہ یہ سعادت مؤتمر المصنفین دارالعلوم حقانیہ کو نصیب ہو۔ اور الحمدللہ کہ یہ تمنا آج پوری ہو رہی ہے۔ جب کہ اصل کتاب پر پابندی کا پیریڈ بھی غالباً ختم ہو چکا ہے۔ اور وقت کا تقاضا ہے کہ نہ صرف یہ کتاب بلکہ اس وقت اسمبلی میں کی گئی ساری نقد وجرح اور بحث ومباحثہ کو مرتب کر کے قوم کے سامنے لایا جائے۔ صدر پاکستان جناب جنرل محمد ضیاء الحق صاحب نے ۱۹۷۴ء کے اس دستوری ترمیم کے منطقی تقاضوں کی تکمیل کے لئے حال ہی میں قادیانیوں کے بارہ میں ایک آرڈی ننس کی شکل میں قانون سازی کر کے ایک عظیم الشان قدم بھی اٹھا دیا ہے۔ اور ملک وبیرون ملک کے پڑھے لکھے حلقوں میں قادیانیت کے پس منظر اور پیش منظر جاننے کی دلچسپی ہے۔ ایسے وقت میں اس کی اشاعت ایک اہم ضرورت کی تکمیل ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے قبولیت سے نوازے۔ اور یہ قادیانیوں کی دسیسہ کاریوں، سازشوں، اسلام دشمن منصوبوں اور دجالی فلسفہ بحث وتاویل کے سمجھنے کا ذریعہ ثابت ہو۔

وما ذالک علی اللہ بعزیز۔

امسال کے صوبہ سرحد میں
ہمارے مقرر کردہ

ڈیلرز

۱۔ خلیل الیکٹرک سٹور، صدر، پشاور۔
۲۔ طاہر الیکٹرک سٹور، خواجہ گنج، ہوتی مردان۔
۳۔ اتحاد کمبل ہاؤس، بٹ خیلہ بازار، بٹ خیلہ۔ فون ۶۱۴
۴۔ سعید ٹرنک ہاؤس، بازار تمرگرہ، ضلع دیر۔ فون ۱۱۴
۵۔ شہزاد اینڈ برادرز، کیولری روڈ، کینٹ، بازار نوشہرہ صدر
۶۔ عوامی الیکٹرک اینڈ سینیٹری سٹور۔ بنوں۔
۷۔ صاحبزادہ محمد ادریس، حاجی فرید گل ایگزمرچنٹ
تورڈھیر، تحصیل صوابی، ضلع مردان۔
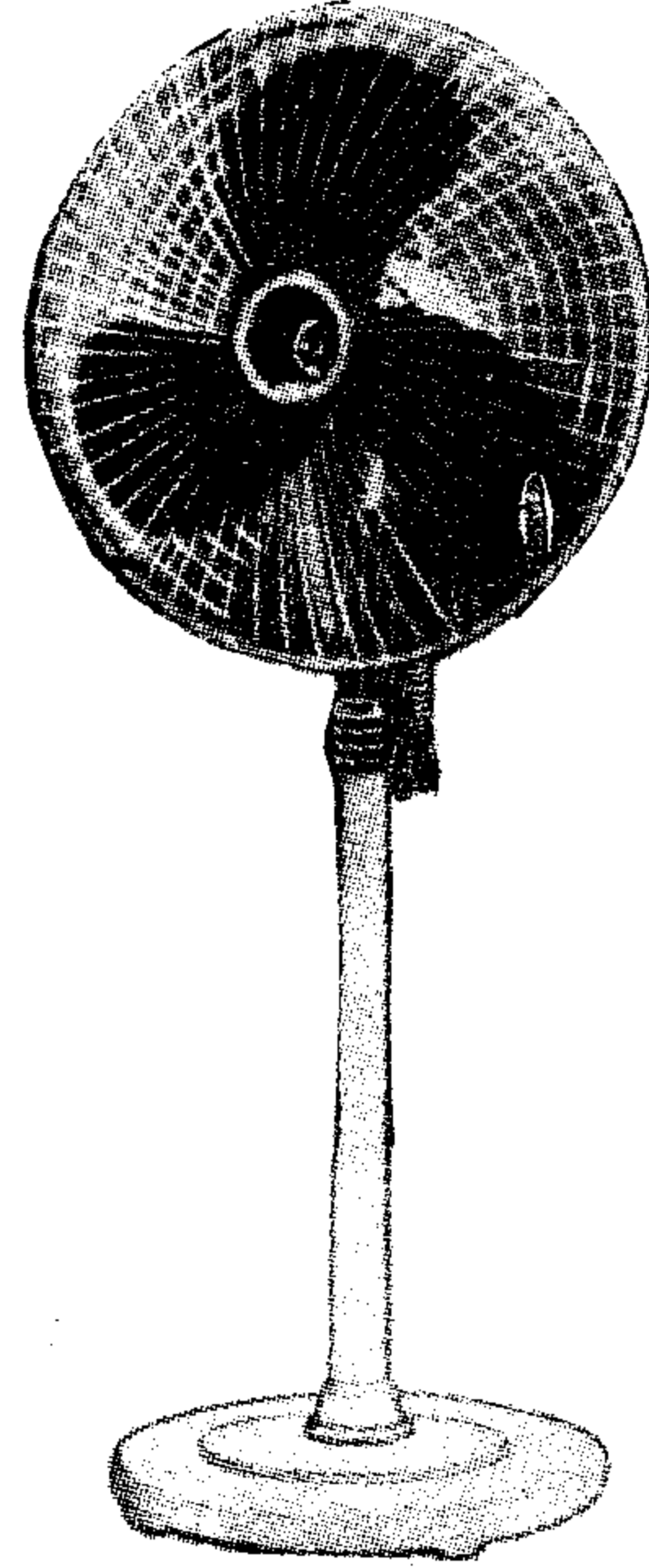
ملک بھر میں مقبول اور کامیاب
تسکین و آرام کے ضامن

کم خرچ
بالانشین

منجانب بورڈ آف ڈائریکٹرز

ESTD. 1936
S.A
FANS & MOTORS

فون - 4700
گرام - ESSAYFAN

ایس اے الیکٹریکل انڈسٹریز لمیٹڈ
جی ٹی روڈ گجرات